دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۲ | ماہ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۲۰۱۳ء | عدد ۶

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

اردو طباعت کی تاریخ میں معارف پریس کا قیام ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں کی مطبوعات کی اپنی ایک امتیازی شناخت تھی۔ کتابت اور طباعت میں اس نے اپنا ایک معیار قائم کیا تھا۔ سیرت النبیؐ کا پہلا ایڈیشن دیکھ کر اب بھی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ یہ صورت حال کافی دنوں تک باقی رہی۔ پھر وقت بدلا اور 'آں قدح بشکست وآں ساقی نماند'۔ خاص طور سے تقسیم ملک کے بعد اکیڈمی وسائل کی شدید قلت سے دوچار ہوگئی جو وقت گذرنے کے ساتھ مزید شدت اختیار کرتی چلی گئی یہاں تک کہ عام ضرورتوں کو پورا کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طباعت کے سلسلہ میں اس کے لیے خود اپنے قائم کیے ہوئے معیار کو باقی رکھنا ممکن نہ رہا اور اس کا حیات بخش لٹریچر جس نے ملت کی کئی نسلوں کو فکری غذا فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیا تھا ناقابل بیان بدحالی کا شکار ہو گیا۔ اس کے شہرۂ آفاق لٹریچر کی مانگ بدستور باقی تھی لیکن اس کی مطبوعات کے معیار میں غیر معمولی انحطاط کے باعث اس کے طلب گار کم سے کم ہوتے چلے گئے۔ اس طرح اکیڈمی اپنی آمدنی کے اس تنہا ذریعہ سے بھی بڑی حد تک محروم ہوگئی۔ ناگزیر طور پر اس کا اثر اکیڈمی کے دوسرے شعبوں پر پڑا اور ایک وقت وہ بھی آیا جب اس کمتر معیار پر بھی اس لیے اپنی کتابوں کی طباعت مشکل ہوگئی۔ اس سے ایک طرف تو ادارہ کی عمومی بدحالی میں اضافہ ہوا، دوسری طرف منافع خوروں کو اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کھلی چھوٹ مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے اکیڈمی کی مطبوعات کے مسروقہ ایڈیشن چھاپ کر اس خلا کو پر کرنے اور اپنی تجوریوں کا پیٹ بھرنے کی سعی نامشکور شروع کر دی اور یہ سلسلہ بداب تک قائم ہے۔ اس وقت بھی بازار میں مختلف النوع قسم کے اشاعتی اداروں کی طرف سے شائع ہونے والی اکیڈمی کی کتابوں کی بہتات ہے۔ اس سے اس عظیم ملی ادارے کو جو نقصان پہنچا ہے اور برابر پہنچ رہا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ یہ ادارے کسی ضابطہ اخلاق کے پابند نہیں اور ان کا مطمح نظر صرف حطام دنیا ہے۔ اس کے تدارک کی سبیل صرف یہ ہے کہ اکیڈمی کی شائع کردہ کتابیں ہی خریدی جائیں اور اس پر اصرار کیا جائے۔

چند سال پہلے جو توفیق ایزدی سے دارالمصنّفین کی تعمیر نو کے منصوبہ پر کام شروع کیا گیا تو وسائل کے فقدان کے باوجود وقت اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ان گراں بہا کتابوں کی اشاعت کے پروگرام کو ترجیحی بنیاد پر اس میں شامل کیا گیا۔ تمام تر موانع اور مشکلات کے باوجود جو بدقسمتی سے اب بھی ویسے ہی باقی ہیں جیسے پہلے تھے، محض اللہ کے فضل و کرم سے اس مدت میں اکیڈمی نے ۱۱۸ کتابوں کو پھر سے شائع کیا ہے اور انہیں نئے قالب

میں پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ یقیناً ایک بڑی کامیابی ہے جس کے لیے ہم بارگاہ رب العزت میں سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کی تازہ ترین پیش کش 'علم الکلام' اور 'علامہ شبلی کی ادبی اور فکری جہات' ہیں۔ گذشتہ دنوں جن کتابوں کے نئے ایڈیشن آئے ہیں ان میں 'سفر حجاز، خلفائے راشدین، تذکرۃ المفسرین اور الکلام' شامل ہیں۔ اس دوران جن کتابوں کے دوسرے ایڈیشن ہوئے ان میں الفاروق، سیرت عائشہؓ اور خلفائے اربعہ شامل ہیں۔ نومبر۲۰۱۴ء میں اکیڈمی بھی اپنی عمر کے سو سال پوری کرنے والی ہے۔ ایک صدی کا یہ طویل عرصہ عزم و حوصلہ اور ملی خدمت کی ایک ولولہ انگیز داستان ہے جسے خون جگر سے لکھا گیا ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کا ایک غیر معمولی اور قابل فخر ورثہ ہے۔ علامہ شبلی کی صدی تقریبات کے ساتھ ساتھ ہم ان کے خواب کی اس حسین تعبیر کی صدی تقریبات منانے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ اس وقت تک اکیڈمی کی زیادہ سے زیادہ مطبوعات کو نئے رنگ و آہنگ میں پیش کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔ اس موقع پر ہم علامہ شبلی کی کم از کم ایک کتاب کا یادگاری ایڈیشن شائع کرنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ ان امور کے لیے جن وسائل کی ضرورت ہے وہ دسترس میں نہیں ہیں البتہ یہ یقین کامل ہے کہ جس ذات اقدس نے وسائل کے یکسر فقدان کے باوجود یہاں تک پہنچنے کے لیے راستہ ہموار کیا اور اس کے لیے درکار ضروری ساز و سامان فراہم کیا وہی آگے بھی دستگیری فرمائے گا اور یہ قافلۂ شوق انشاءاللہ منزل مراد تک پہنچنے میں کامیاب ہوگا۔

علامہ شبلی نے تحقیق و تصنیف کی جو بلند روایت قائم کی تھی ان کے تلامذہ نے جس طرح اس کی حفاظت کی اور جس جذبہ و وفاداری سے اس کی آبیاری کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے عناصر ترکیبی میں تحقیق کے صبر آزما تقاضوں کی پوری پاسداری، بیانیہ میں معروضیت اور اعتدال اور زبان و بیان کی سلاست، شائستگی اور شستگی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ انہی عناصر ترکیبی سے اس عظیم الشان لٹریچر کا خمیر اٹھایا گیا ہے جو اس ادارہ کے نامور محققین اور مصنّفین نے تیار کیا ہے۔ اسلامیانِ برصغیر کی علمی اور فکری نشو و نما میں اس لٹریچر نے جو کردار ادا کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے اثرات برصغیر تک محدود نہیں بلکہ ایک عالم اس سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لٹریچر نہ صرف برابر شائع ہو رہا ہے اور شائقین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے بلکہ مختلف زبانوں میں ترجمہ کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس کے علاوہ ملک اور بیرون ملک اس کے بارے میں تحقیق و تصنیف کا کام بھی برابر چل رہا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی مقبول عام کتاب 'رحمت عالمؐ' کے ایک سے زیادہ ہندی ترجمے بہت پہلے منظر عام پر

آ چکے تھے۔اس میں دارالمصنّفین سے شائع ہونے والا ایک ترجمہ بھی شامل ہے۔گذشتہ دنوں اکیڈمی نے اس کا ایک نیا ہندی ترجمہ شائع کیا ہے جس کے دو ایڈیشن نکل چکے ہیں۔اس وقت اس کا انگریزی ترجمہ شائع کرنے کی تیاری ہے۔مولانا رحمت اللہ ندوی نے سیرت عائشہؓ کو عربی میں منتقل کیا ہے اور یہ ترجمہ قطر سے شائع ہو چکا ہے۔اس کا انگریزی ترجمہ کویت سے شائع ہوا تھا لیکن وہ مکمل نہیں تھا۔اکیڈمی نے اس کے انگریزی اور ہندی ترجمہ کا اہتمام کیا ہے۔عرب و ہند کے تعلقات کا عربی ترجمہ کچھ دنوں پہلے مصر سے شائع ہو چکا ہے۔اب بیروت کا ایک ادارہ اس کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔اس کے علاوہ اکیڈمی کی زیر نگرانی خطبات مدراس کا انگریزی اور ہندی ترجمہ، ہندوؤں کی علمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کا حصہ، دین رحمت اور عرب ہند کے تعلقات کے ہندی ترجمے تیار ہو چکے ہیں اور وسائل مہیا ہوتے ہی ان کو انشاءاللہ شائع کر دیا جائے گا۔اس وقت ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری پر کام ہو رہا ہے۔اس کے بعد سیرالصحابہ، تاریخ اسلام اور کئی دوسری کتابوں کے ترجمہ کا پروگرام ہے۔

گذشتہ دنوں مولانا عبدالسلام ندوی کی شخصیت اور ان کے علمی اور تحقیقی اکتسابات پر کئی تصانیف اور تحقیقی مقالے سامنے آئے ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ ان کی کثیر الجہات علمی اور تحقیقی خدمات پر تحقیق کا رجحان بڑھا ہے۔۲۰۱۳ء میں مولانا کی حیات اور خدمات پر تین تحقیقی کاوشیں سامنے آئی ہیں۔ڈاکٹر گلشن طارق کی مبسوط کتاب 'عبدالسلام ندوی کی ادبی خدمات' (تنقید کے حوالہ سے) ماورا پبلشرز، لاہور سے شائع ہوئی ہے۔یہ دراصل ان کا وہ مقالہ ہے جو انہوں نے پی۔ایچ۔ڈی کے لیے لکھا تھا۔دوسری کتاب 'مولانا عبدالسلام ندوی۔ایک مطالعہ' پروفیسر کبیر احمد جائسی مرحوم کی تصنیف ہے۔اسے قرطاس، کراچی نے شائع کیا ہے۔اس موضوع پر تازہ ترین کتاب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی 'یگانہ روزگار۔مولانا عبدالسلام ندوی' ہے۔اس کے علاوہ حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں جناب عبیداللہ نے 'مولانا عبدالسلام ندوی کے تاریخی اور تنقیدی شعور کا مطالعہ۔شعر الہند حصہ اول کے حوالہ سے' کے موضوع پر ایم۔فل کے لیے مقالہ لکھا ہے۔اس سے قبل محترمہ شائستہ بتول نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد میں 'اقبال کامل کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ' کے موضوع پر ایم۔فل کے لیے مقالہ پیش کیا تھا۔خوشی کی بات ہے کہ پروفیسر کبیر احمد جائسی کی کتاب کو مولانا عبدالسلام فاؤنڈیشن، ممبئی نے شائع کر دیا ہے۔اسی ادارہ کی طرف سے ڈاکٹر گلشن طارق کی کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔اس کے لیے فاؤنڈیشن کے ذمہ داران ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

مقالات

قتلِ عمد میں قصاص اور دیت ہے، معافی نہیں

الطاف احمد اعظمی

ڈاکٹر محمد شکیل اوج (شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی) کے مضمون ''قتل عمد میں دیت اور معافی کے تعلق سے قرآنی مباحث'' (معارف دسمبر ۲۰۱۱ء) کو بغور پڑھنے کے بعد راقم سطور نے ایک طویل مراسلہ لکھا اور موصوف کے اس خیال کی تردید کی کہ قتل عمد میں صرف قصاص ہے اور نص قرآن اور بعض تاریخی واقعات نقل کرکے دکھایا کہ قتل عمد میں قصاص کے ساتھ دیت بھی ہے، البتہ یہ بات درست ہے کہ اس میں معافی نہیں۔ (معارف مارچ ۲۰۱۲ء، ص ۲۱۶)

اس مراسلے کے شائع ہونے کے بعد جناب بدر احمد مجیبی صاحب نے ڈاکٹر محمد شکیل اوج کے مذکورہ خیال کی تردید میں ایک طویل مضمون ''قتل عمد میں دیت اور معافی اور امت اسلامیہ کا موقف'' کے عنوان سے لکھا اور وہ تین قسطوں میں شائع ہوا۔ (معارف اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء)

اس مضمون میں موصوف نے شدّ و مد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قتل عمد میں ولی مقتول کو قصاص، دیت اور معافی تینوں کا اختیار حاصل ہے یعنی وہ چاہے تو قصاص لے یا قصاص نہ لے کر دیت لے لے، یا چاہے تو قصاص اور دیت دونوں سے دست بردار ہو کر قاتل کو معاف کردے۔ (معارف اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۴۶) اسی سلسلہ بحث میں موصوف نے راقم کے مذکورہ مراسلے کا بھی ذکر کیا ہے اور اس سے یہ عبارت نقل کی ہے:

> ''قتل عمد میں جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا، قصاص یا دیت ہے معافی نہیں۔ لیکن بہت سے علماء و فقہاء کا خیال ہے کہ اگر مقتول کے ورثا چاہیں تو قاتل کو معاف کر سکتے ہیں۔ (دیکھیں تفہیم القرآن، ۱۳۸/۱، ۱۳۹) لیکن یہ رائے کسی نص صریح پر مبنی نہیں ہے، محض

آر زیڈ ۱۰۹ بی، گلشن اپارٹمنٹ، فلیٹ نمبر ۴۰۲، گلی نمبر ۲۴، تغلق آباد ایکسٹینشن، نئی دہلی-۱۹۔

ایک قیاسی حکم ہے۔اس سلسلے میں فاضل مضمون نگار نے جو تنقید کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ بھلا قتل عمد جیسے سنگین جرم کے مرتکب کو جسے آخرت میں ''خلود نار'' کی وعید سنائی گئی ہے(نساء:۹۳) سزا کے بغیر کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ رعایت ''وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ'' کی ہدایت کا کھلا استخفاف ہے''۔(معارف مارچ ۲۰۱۲ء،ص ۲۱۶)

مراسلے کی اس عبارت پر تنقید کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''جناب الطاف اعظمی صاحب جس کو 'محض ایک قیاسی حکم' قرار دے رہے ہیں اس کے بارے میں پوری تفصیل آچکی ہے کہ یہ حکم قرآن کی متعدد آیات سے اور متعدد مرفوع احادیث سے ثابت ہے، اسی طرح متعدد صحابہ کرام اور تابعین سے صراحت کے ساتھ مروی ہے۔اس کے بعد سے اس پر امت کا اتفاق بھی ہے اور میرے محدود مطالعہ کی حد تک کسی معتبر فقیہ یا محدث و مفسر سے اس کی مخالفت کی تصریح منقول نہیں ہے۔ ایسے مسئلہ کو الطاف اعظمی صاحب صرف قیاسی حکم کہہ رہے ہوں تو منصوص حکم اور امت کا متفقہ فیصلہ کس کو کہیں گے؟ اپنی ناقص عقل (جو عقل قرآن اور حدیث کی مخالفت کرے وہ ناقص ہی ہوگی) سے منصوصات کا انکار کر دینا کیا کسی صاحب عقل و فہم کا شیوہ ہو سکتا ہے؟''۔(معارف دسمبر ۲۰۱۲ء ص ۴۲۱)

محترم! ناقص العقل در حقیقت وہ لوگ ہیں جو منصوص احکام کی غلط تشریح و تاویل کر کے منشائے خداوندی کو بدل دیتے ہیں اور مسلمانوں کو ربانی احکام کی جگہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔لاریب قتل عمد میں قصاص اور دیت ہے، معافی نہیں، یہ ایک منصوص حکم میں اضافہ ہے اور اگلی سطروں سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

جناب بدر احمد مجیبی صاحب کا دعویٰ ہے کہ قتل عمد سے متعلق ان کے نقطۂ نظر کی تائید قرآن اور حدیث دونوں سے ہوتی ہے اور اہل علم و فقہ کی ایک بڑی تعداد کا یہی مسلک ہے۔لیکن اپنے اس دعوے کی تائید میں انہوں نے جو ثبوت و دلائل دیے ہیں ان کا بڑا حصہ در حقیقت تاویل فاسد اور دیدہ و دانستہ مغالطہ انگیزی پر مشتمل ہے۔اس سلسلے میں سب سے پہلے میں ان تین آیات پر گفتگو کروں گا جنہیں موصوف نے اپنے مزعومہ خیال کی تائید میں پیش کیا ہے۔اس کے بعد ان

کے دوسرے دلائل کا جائزہ لوں گا۔

نصوصِ قرآن: ۱-قتل عمد میں قصاص اور دیت کے علاوہ معافی کے اثبات میں جو پہلی دلیل پیش کی گئی ہے وہ سورۂ اسراء کی درج ذیل آیت ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (سورہ اسراء:۳۳)	اور اس جان کو ہلاک نہ کرو جسے (ہلاک کرنا) اللہ نے حرام کیا ہے، الا یہ کہ حق کی خاطر اسے ہلاک کرنا پڑے (یعنی بہ حق قصاص وغیرہ)۔ اور جو ناحق مارا گیا تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص لینے کا) اختیار دیا ہے، پس وہ قتل میں حد سے نہ گزرے۔ (ترجمہ راقم کا ہے)

مذکورہ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے جناب بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں:

''سُلْطٰنًا'' کہہ کر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ولی مقتول کو مکمل اختیار دے دیا گیا ہے۔ کیونکہ سلطان کے معنی سلطنت، قوت، مکمل اختیار اور قابو کے ہیں۔ شریعت نے اس میں مکمل اختیار مقتول کے ولی کو دے دیا ہے کہ وہ قاتل کو قتل بھی کر سکتا ہے، دیت میں مال بھی لے سکتا ہے اور بغیر کچھ لیے مکمل معاف بھی کر سکتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب کسی انسان کو شریعت یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ فلاں کو قتل کر سکتا ہے تو اس شخص کو یقیناً اس کا اختیار بھی ہوگا کہ وہ اس کو معاف کر دے۔ معاف کرنے کے لیے کسی اختیار یا قوت ملنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ (معارف اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۵۰)

اسی کا نام تفسیر بالرائے ہے۔ لفظ 'سلطان' کی یہ تشریح سیاق کلام اور نظائر قرآن دونوں کے خلاف ہے۔ جن مفسرین (طبری و بغوی وغیرہ) کی تفسیروں پر موصوف نے اعتماد کر کے اپنے غیر منصوص خیال کی بنیاد رکھی ہے۔ ان اہل تفسیر سے اس معاملے میں صریحاً چوک ہوگئی ہے۔

'سلطان' فقہی معنی میں قرآن مجید کی کوئی اصطلاح نہیں ہے۔ قرآن میں یہ لفظ ایک سے زیادہ معنی میں استعمال ہوا ہے، مثلاً دلیل (اعراف۔۷۱، یونس۔۶۸)، حجت قطعی بمعنی معجزہ (ہود۔۹۶، ابراہیم۔۱۱) اور اختیار و قوت (ابراہیم۔۲۲، رحمٰن۔۵۵) وغیرہ۔ زیر بحث آیت میں اس کے

معنی اختیار وقوت کے ہیں۔

اس اختیار وقوت کے مفہوم کی تعیین میں اہل علم وتفسیر کا اختلاف ہے اور اس سلسلے میں متعدد اقوال بیان کیے گئے ہیں (۱)۔ میرے نزدیک قتادہ کا قول ہی صحیح ہے کہ اس سے مراد قصاص ہے (۲)۔ اس خیال کی تائید زیر بحث آیت میں فَلاَ یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ کے فقرے سے ہوتی ہے۔ کہا گیا کہ جب اللہ نے ولی مقتول کو قصاص لینے کا حق واختیار دے دیا ہے تو اب لازمی ہے کہ اس معاملے میں انتقامی جذبات سے مغلوب ہوکر قاتل کو قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے یعنی یہ نہ ہو کہ اس کے بدلے میں کئی جانوں کو ہلاک کر دیا جائے، یا قاتل کو بے دردی سے قتل کیا جائے یعنی اس کا مثلہ کرنا وغیرہ۔ اسی تجاوز عن الحد کو آیت میں ''اسراف فی القتل'' کہا گیا ہے۔ آیت کے اس مفہوم کی تائید نظائر سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اس تشریح سے اگرچہ 'سلطان' کا مفہوم متعین ہوگیا لیکن بہرحال یہ ایک مجمل مفہوم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کون کرے گا؟ ہمارے بہت سے علماء وفقہاء کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اس اجمال کی تفصیل خود کر دی جس سے منشائے ربانی تبدیل ہوگیا، حالانکہ قرآن کے ہر مجمل کی تفصیل کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جیسا کہ فرمایا ہے: اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗ (سورہ قیامہ: ۱۹) ''ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی توضیح''۔ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق اللہ نے 'سلطان' کی وضاحت سورۂ بقرہ میں فرما دی ہے۔ ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَیۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِی الۡقَتۡلٰی اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَ الۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰی بِالۡاُنۡثٰی فَمَنۡ عُفِیَ لَهٗ مِنۡ اَخِیۡهِ شَیۡءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَیۡهِ بِاِحۡسَانٍ ذٰلِكَ تَخۡفِیۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ وَلَكُمۡ فِی الۡقِصَاصِ	اے ایمان والو! تم پر مقتول کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے) پس جس قاتل کے حق میں اس کے بھائی (یعنی مقتول کے ولی) کی طرف سے کچھ رعایت ہو جائے تو (دیت کے تعین میں ولی مقتول کی طرف سے) دستور کی پابندی کرنا اور (قاتل کی طرف سے) اچھے ڈھنگ سے اس کو ادا کرنا ہے۔ یہ (یعنی قانون دیت)

حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ	تمہارے رب کی طرف سے (اصل سزا میں) تخفیف اور (اس کی ایک بڑی) مہربانی ہے۔ اس (حکم) کے بعد جو زیادتی کرے گا تو اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ اے دانش مندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ (یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے) تا کہ تم لوگ (ناحق قتل و خوں ریزی سے) بچو۔
(سورہ بقرہ: ۱۷۸-۱۷۹)	

جناب بدر احمد مجیبی صاحب نے آیت ۱۷۹ نقل نہیں کی ہے اور اس کی وجہ قارئین بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ بہرحال مذکورہ آیات کے مطابق قصاص اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے۔ عام حالات میں اس سے گریز منشائے خداوندی سے انحراف ہوگا۔ اسی بات کو موکد کرنے کے لیے آخر میں فرمایا ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ''اے دانش مندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے''۔

معلوم ہوا کہ قتل عمد میں اصل سزا تو قصاص ہے، تخفیف یعنی دیت کا تعلق شاذ حالات سے ہے یعنی اگر مقتول کے گھر والے غریب ہوں اور اس کے بال بچوں کی پرورش مشکل ہو یا قتل کا واقعہ منصوبہ بند طریقے سے پیش نہ آیا ہو، محض وقتی اشتعال اس کا محرک بنا ہو تو ان حالات میں قصاص کے بجائے دیت لینا مناسب ہوگا۔

یہ تخفیف بالکل اس تخفیف کی طرح ہے جس کا تعلق رمضان کے روزوں سے ہے۔ فرمایا ہے: ''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ یہ چند دن ہیں (جن میں روزے رکھنے ہیں) تو تم میں سے جو مریض ہوں یا مسافر وہ دوسرے دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لیں''۔ (بقرہ: ۱۸۳، ۱۸۴) ان آیات میں اصل حکم یہ ہے کہ سب اہل ایمان ماہ صیام کے روزے رکھیں، الّا یہ کہ کوئی مریض ہو یا حالت سفر میں ہو۔ یہ اصل حکم میں تخفیف ہے جس میں لوگوں کے لیے بڑی سہولت ہے۔ یہی معاملہ قصاص اور دیت کا ہے کہ پہلی سزا اصل حکم ہے اور دوسری سزا (دیت) اصل حکم میں تخفیف ہے جسے آیت میں رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تخفیف بھی حکم صیام میں تخفیف کی طرح

مشروط ہے یعنی اس اجازت پر عمل مخصوص حالات میں ہی ہوگا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیات (۱۷۸، ۱۷۹) کے بارے میں جملہ علماء، مفسرین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس میں جس سزا کا ذکر ہے اس کا تعلق قتل عمد سے ہے اور یہ سزا قصاص اور دیت ہے۔ ''فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ'' کے فقرے کا تعلق دیت ہی سے ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام رازیؒ قرآن کی تشریح و تفسیر میں نظم کلام کے قائل تھے اور نظائر کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ انہوں نے سورۂ اسراء کی زیر بحث آیت میں لفظ ''سلطان'' کی تفسیر اسی اصول کی روشنی میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ان تلک السلطنة مجملة ثم صارت مفسرة بالآية والخبر، أما الآية فقوله تعالىٰ في سورة البقرة : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى - إلى قوله - فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ، وقد بينا في تفسير هذه الآية انها تدل على أن الواجب هو كون المكلف مخيراً بين القصاص وبين الدية، وأما الخبر فهو قوله عليه السلام يوم الفتح : "من قتل قتيلا فأهله بين خيرتين إن أحبوا قتلوا وإن أحبوا أخذوا الدية" وعلى هذا الطريق فقوله : فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ، معناه أنه لما حصلت له سلطنة استيفاء القتل إن شاء، و سلطنة

یہ سلطنت (سلطان) مجمل ہے پھر (دوسری) آیت اور حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ آیت کا تعلق سورۂ بقرہ سے ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی الخ۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکلّف (یعنی ولی مقتول) کو قصاص یا دیت لینے کا اختیار ہے اور خبر یعنی حدیث یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی کو قتل کر دیا تو اس کے وارثوں کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ اگر وہ چاہیں تو (قاتل کو) قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔ اور اسی طرز پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: فلا یسرف فی القتل ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ چاہے تو قتل کرے اور چاہے تو دیت لے۔ قتل میں اسراف نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیٰ یہی ہے کہ وہ اقدام قتل نہ کرے اور

استیفاء الدیة إن شاء ، قال بعده فلا یسرف فی القتل ، معناه أن الأولی أن لا یقدم علی استیفاء القتل و أن یکتفی بأخذ الدیة أو یمیل إلی العفو۔(۳)	دیت لینے پر اکتفاء کرے یا معافی کی طرف جھک جائے (یعنی قاتل کو معاف کردے)''۔

اس تفسیر سے 'سلطان' کا صحیح مفہوم متعین ہوگیا کہ اس سے مراد قصاص اور دیت ہے۔ البتہ امام موصوف نے ''ولم یسرف فی القتل''کی جو تشریح کی ہے وہ سیاق کلام سے مطابقت نہیں رکھتی ہے۔کسی دوسرے مفسر نے آیت کا یہ مفہوم بیان نہیں کیا ہے۔ ہندوستانی مفسرین میں ''موضح فرقان'' (شیخ الہندؒ) کے شارح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> ''یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لیں لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گزریں۔مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو شامل کرلیں۔یا قاتل کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے اور مثلہ کرنے لگیں''۔(۴)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

> ''فلا یسرف فی القتل'' یہ اولیائے مقتول کے لیے ہدایت ہے کہ چونکہ ان کو قانون اور حکومت کی حمایت حاصل ہے اس وجہ سے ان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ قاتل کو قتل کرنے کے معاملے میں حدود سے تجاوز کریں۔مثلاً یہ کہ اصل قاتل کے علاوہ دوسروں کو بھی قتل کردیں یا قتل کے ایسے طریقے اختیار کریں جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔مثلاً آگ میں جلانا یا مثلہ کرنا''۔(۵)

اب بتائیے کہ جب 'سلطان' کی وضاحت سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیات میں کردی گئی اور حدیث بھی اس کی موید ہے جیسا کہ امام رازیؒ کے حوالے سے ذکر ہو چکا ہے،تو پھر معافی کا حکم کہاں سے نکل آیا؟ معافی تو صرف قتل خطا (نساء:۹۲) اور جروح میں ہے (مائدہ:۴۵)۔اس لیے ماننا ہوگا کہ قتل عمد میں معافی کی بات قرآن کے منصوص حکم میں اضافہ ہے۔

۲- جناب بدر احمد مجیبی صاحب نے اپنے مزعومہ خیال کی تائید میں جو دوسری دلیل

پیش کی ہے وہ سورۂ شوریٰ کی آیت ۴۰ ہے۔ یہاں بھی موصوف سے وہی خطا ہوئی ہے جس کا ذکر سورۂ اسراء کی آیت ۳۳ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔انہوں نے اس آیت کا ابتدائی فقرہ چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس سے ان کے خیال کی تردید ہوتی ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْىُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ

(سورۂ شوریٰ:۳۹-۴۰)

اور جو اس موقع پر بدلہ لیتے ہیں جب ان پر ظلم و زیادتی کی جاتی ہے اور (جان لو کہ) برائی (یعنی زیادتی) کا بدلہ ویسی ہی برائی (یعنی زیادتی) ہے، پس جو معاف کردے اور (بگڑے ہوئے تعلقات کی) اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (ترجمہ راقم کا ہے)

موصوف نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کرکے وہی غلطی کی جو وہ سورۂ اسراء سے استدلال میں کر چکے ہیں۔سورۂ اسراء کی طرح یہ بھی مکی سورہ ہے۔اہل علم جانتے ہیں کہ مکی سورتوں میں زیادہ تر عقاید و عبادات اور اخلاقی احکام کا ذکر ہوا ہے۔اگر کہیں بر سبیلِ تذکرہ کوئی اجتماعی حکم مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے تو اس کی تفصیل مدنی سورتوں میں کردی گئی ہے۔(سورۂ ہود:۱)

اب کوئی موصوف سے پوچھے کہ جب سورۂ بقرہ (آیت ۱۷۸، ۱۷۹) میں قتل عمد کی سزا واضح لفظوں میں بیان کردی گئی ہے کہ وہ قصاص اور دیت ہے تو انہوں نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں اس مکی سورہ کو کیوں پیش کیا جو باعتبار معنی مجمل ہے؟ استدلال کی اس صریح غلطی کے باوجود میں سورۂ شوریٰ کی مذکورہ آیت کی تفصیل کرتا ہوں تاکہ موصوف کے خیال کی غلطی بالکل واضح ہوجائے۔

اس آیت میں لفظ ''سیّئة'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی برائی کے ہیں۔قرآن مجید میں اس کے بالمقابل جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ''حسنة'' ہے یعنی بھلائی۔مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (آل عمران:۱۲۰) ''اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ان کو بری لگتی ہے''۔دوسری جگہ ہے: وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (الرعد:۲۲) ''اور وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں''۔زیر بحث آیت میں اس برائی کا مطلب ظلم و زیادتی ہے اور

یہ بات ''بغی'' کے لفظ سے بالکل ظاہر ہے۔ ''اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ'' کے فقرے نے اسے مزید واضح کر دیا ہے۔

اکثر مفسرین اور فقہاء کا خیال ہے کہ اس آیت میں جراحات کا بدلہ لینے کا ذکر ہوا ہے (۶)، یعنی جارح نے جس قسم کی جراحت پہنچائی ہے اسی کے مثل مجروح بھی جراحت پہنچائے گا۔ مثلاً اگر کسی نے ضرب لگا کر اس کا دانت توڑ دیا ہے تو وہ بھی قصاص میں دانت توڑ سکتا ہے اور چاہے تو جارح کو معاف کر دے۔ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔ مجاہد اور سدی کہتے کہ یہ برے کلام کا جواب ہے۔ اگر کوئی 'اخزاک اللّٰہ' کہے تو تم بھی اس کو ایسا ہی کہہ دو یعنی 'اخزاک اللّٰہ' اس سے تجاوز نہ کرو۔ (۷)

اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ جناب بدر احمد مجیبی نے لفظ 'سیئۃ' کی جو تشریح کی ہے یعنی اس کا اطلاق نہ صرف قتل عمد پر کیا بلکہ اس سے معافی کا حکم بھی نکال لیا (معارف اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۶۴)، وہ نص قرآن کے خلاف ہے یا نہیں؟ اللہ ان کی اس خطا سے درگزر فرمائے۔

احادیث: جناب بدر احمد مجیبی صاحب نے اپنے مذکورہ خیال کی تائید میں چند احادیث بھی پیش کی ہیں۔ لیکن ان کا جائزہ لینے سے پہلے ایک اہم آیت ملاحظہ فرمالیں۔ ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ
(سورۂ مائدہ: ۴۸)

اور ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق اتاری ہے جو اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کی (بنیادی تعلیمات کی) محافظ ہے، تو تم (اے محمدؐ) اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرو اور حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشوں (یعنی بدعتوں) کی پیروی نہ کرو''۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ''بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ''، یعنی قرآن کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں۔ معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب قرآن ہی سے مستفاد ہے۔ تمام محقق علماء نے یہی بات لکھی ہے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ سب قرآن سے ماخوذ ہیں (۸)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی "الخیر الکثیر" میں لکھا ہے کہ سنت قرآن ہی سے مستنبط ہے (۹)۔ اس سلسلے میں یہ آیت بھی پیش نظر رہے: وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ، اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی (النجم:۴) "اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بدلتا، یہ تو بس وحی ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے"۔

اب اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ایسی آتی ہے جس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے لیکن وہ نص قرآن کے معارض ہے تو دو میں سے ایک صورت اختیار کی جائے گی۔ ایک یہ کہ اسے بالکلیہ رد کر دیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے برخلاف کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ امام شاطبیؒ نے اپنی معروف کتاب "الموافقات" میں درج ذیل روایت نقل کی ہے:

ما أتاكم عني فاعرضوه على كتاب اللّٰه ، فان وافق كتاب اللّٰه فانا قلته وان خالف كتاب اللّٰه فلم أقله أنا ، وكيف اخالف كتاب اللّٰه وبه هداني اللّٰه ـ(۱۱)	میری طرف منسوب جو بات تمہارے پاس آئے اسے کتاب اللہ پر پیش کرو (یعنی اس کی روشنی میں اسے جانچ لو)۔ اگر وہ کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ میرا قول ہوگا اور اگر اس کے برخلاف ہو تو وہ میرا قول نہیں ہوگا اور میں کیسے کتاب اللہ کی مخالفت کر سکتا ہوں جب کہ اللہ نے اسی کے ذریعے سے مجھے سیدھی راہ دکھائی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حدیث میں جو تعارض ہو اس کو دور کر کے اسے مطابق قرآن کیا جائے اور اگر یہ تعارض دور نہ ہو سکے تو پھر کوئی صحیح تر حدیث لی جائے اور ضعیف روایت کو چھوڑ دیا جائے۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ فرماتے ہیں:

واذا تعارض حديثان ، فياخذون باثبت ، فلم لا يفعل كذٰلك اذا تعارض القرآن والحديث ؟ او يوافقون بين المتعارضين اذا	جب دو حدیثوں میں تعارض واقع ہوتا ہے تو جو حدیث صحیح وثابت ہوتی اس کو لے لیا جاتا ہے تو قرآن وحدیث میں تعارض واقع ہونے کی صورت میں اس اصول کے مطابق کیوں عمل نہیں کیا جاتا

تساويا في السند ، والقرآن اوثق سندا فلا بد أن تأويل الاحاديث بالقرآن كما في معنى اهل البيت نأول حديث المباهلة ۔(۱۱)	ہے۔اسی طرح دومتعارض حدیثوں میں جبکہ باعتبار سند مساوی ہوں،موافقت پیدا کی جاتی ہے اور قرآن باعتبار سند زیادہ مضبوط اور قابل اعتماد ہے اس لیے ضروری ہے کہ احادیث کی تاویل قرآن کے مطابق کی جائے جیسا کہ اہل بیت کے معنی میں ہم حدیث مباہلہ کی تاویل کرتے ہیں۔

ان دواصولی باتوں کے ذکر کے بعد اب میں جناب بدر احمد مجیبی صاحب کی پیش کردہ احادیث کا جائزہ لیتا ہوں۔

پہلی حدیث:

قال :انی لقاعد مع النبی صلی الله عليه وسلم اذ جاء رجل يقود آخر بنسعة فقال : يا رسول الله ! هذا قتل أخي ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أقتلته ؟ فقال : انه لو لم يعترف أقمت عليه البينة ، قال : نعم ، قتلته ، قال : كيف قتلته ؟ قال : كنت أنا وهو نختبط من شجرة فسبني فأغضبني ، فضربته بالفاس على قرنه فقتلته ، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم : هل لک من شئ تؤديه عن نفسک؟ قال: مالي مال الا كسائي وفأسي، قال: فترى قومک يشترونک؟ قال أنا أهون على قومي من ذلک ، فرمى اليه	حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے،وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت رسول اللہؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی ایک دوسرے شخص کو چمڑے کی ڈوری میں باندھے ہوئے لے کر آیا،اس نے عرض کیا،یا رسول اللہ!اس نے میرے بھائی کو قتل کردیا ہے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا،کیا تم نے اس کو قتل کیا ہے؟ لانے والے آدمی نے کہا کہ اگر اس نے اعتراف نہیں کیا تو میں اس پر بینہ قائم کروں گا (یعنی دو گواہ پیش کروں گا)۔اس شخص نے کہا کہ ہاں،میں نے اس کو قتل کیا ہے۔حضرت محمدؐ نے کہا کہ تم نے اس کو کیسے قتل کردیا؟اس نے کہا،میں اور وہ ایک درخت سے پتہ توڑ رہے تھے،اس نے مجھے گالی دے کر غصہ دلا دیا تو میں نے اس کے سر پر کلہاڑی سے مار کر اس کو قتل کردیا۔حضرت محمدؐ نے فرمایا: کیا تمہارے

بنسعته وقال: دونک صاحبک، فانطلق به الرجل فلما ولی قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان قتله فهو مثله، فرجع فقال: یا رسول اللّٰه! انه بلغنی أنک قلت: ان قتله فهو مثله، و أخذته بأمرک؟ فقال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم: اما ترید أن یبوء باثمک واثم صاحبک؟ قال: یا نبی اللّٰه! لعله قال: بلی قال: فان ذاک کذاک قال: فرمی بنسعته وخلی سبیله۔

(صحیح مسلم، کتاب القسامة والقصاص والدیات، وغیرہ)

پاس ایسی چیز ہے جو تم اپنی جانب سے (بطور دیت) ادا کرو۔ اس نے کہا کہ میرے کپڑے اور کلہاڑی کے سوا میرے پاس کوئی مال نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا، کیا تمہاری قوم تم کو خرید سکتی ہے؟ (یعنی تمہاری دیت ادا کرسکتی ہے)، اس نے کہا کہ میں اپنی قوم پر اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہوں۔ حضرت محمدؐ نے لانے والے آدمی کی طرف اس کی ڈوری پھینک دی اور فرمایا: یہ تمہارے حوالہ ہے (یعنی اس کے قتل کی اجازت دے دی)۔ وہ آدمی اس کو لے کر چلا، جب وہ مڑا تو حضرت محمدؐ نے فرمایا: اگر اس نے اس کو قتل کردیا تو وہ بھی اس کے مثل ہوجائے گا (اس کو اس کی خبر مل گئی)۔ وہ واپس لوٹا، اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے یہ خبر ملی کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس نے اس کو قتل کردیا تو وہ بھی اس کے مثل ہوجائے گا، حالانکہ میں تو آپؐ کی اجازت سے اس کو پکڑ کر لے جارہا تھا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں چاہو گے کہ وہ تمہارے اور تمہارے صاحب کے گناہ کو لے جائے؟ اس نے کہا کہ یا نبی اللہ! کیوں نہیں (کیوں نہیں کہنے میں راوی کو شبہ ہے)۔ اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔ اس نے اس کی ڈوری پھینک دی اور اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد (معارف اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۶۷، ۲۶۸) جناب بدر احمد مجیبی امام بغوی کی 'شرح السنۃ' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ ولی دم کو قصاص لینے، دیت پر قصاص کو معاف کرنے اور مکمل معاف کرنے میں اختیار ہے''۔ (معارف اکتوبر، ص ۲۶۹)

حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ واقعۂ قتل کسی منصوبہ بندی کے بغیر اچانک پیش آ گیا۔ قاتل اپنے ساتھی کی دشنام طرازی سے اس قدر مشتعل ہو گیا کہ اس نے اس کے سر پر کلہاڑی مار دی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کے بجائے دیت کا فیصلہ فرمایا۔ لیکن قاتل اپنی انتہائی غربت کی وجہ سے دیت ادا کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ آپؐ نے قاتل کو ولی مقتول کے حوالے کر دیا کہ شاید وہ اس کی غربت پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دے۔ لیکن جب وہ اسے قتل کے ارادے سے لے کر چلا تو آپؐ نے اس کی سنگ دلی پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ اسے جوں ہی آپؐ کی ناگواری کا علم ہوا اس نے قاتل کو چھوڑ دیا یعنی اس سے قصاص نہیں لیا۔

اب کوئی بتائے کہ اس حدیث سے قتل عمد میں معافی کا حکم کہاں سے نکل آیا؟ اگر قاتل غریب آدمی نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ'' کے مطابق دیت کا فیصلہ فرماتے جیسا کہ روایت کے الفاظ سے بالکل ظاہر ہے۔ اگر معافی کی گنجائش ہوتی تو آپؐ قاتل کو ولی مقتول کے حوالے کیوں کرتے۔ صاف فرما دیتے کہ چونکہ یہ قتل جان بوجھ کر نہیں ہوا ہے اور قاتل دیت ادا کرنے سے معذور ہے اس لیے تم اسے معاف کر دو۔ لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قتل عمد میں معافی نہیں ہے۔

البتہ اس حدیث سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اگر واقعۂ قتل منصوبہ بند نہ ہو اور وقتی اشتعال سبب قتل بنا ہو تو قصاص کے بجائے دیت کا معاملہ اولیٰ ہے۔ لیکن اگر قاتل انتہائی غربت کی وجہ سے دیت ادا کرنے سے قاصر ہو تو عدالت ولی مقتول سے کہہ سکتی ہے کہ وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو قصاص لے۔ یہ ایک بالکل استثنائی معاملہ ہے۔

اگر مذکورہ حدیث پر تھوڑا سا غور و فکر کر لیا گیا ہوتا تو یہ غلطی نہ ہوتی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مجیبی صاحب کا خیال ہے کہ اسلاف نے ہر مسئلہ پر خوب غور کر لیا ہے اور ان سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی ہے اس لیے اب امت کے جملہ اہل علم پر لازم ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے ان کی پیروی

کریں۔افسوس اس طرز فکر پر-اس امت کی ساری مصیبتوں کی جڑ خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے ہو، یہی مجہول طرز عمل ہے، یعنی غور وفکر سے احتراز جس کا دوسرا نام اندھی تقلید ہے۔

دوسری حدیث:

قال : قتل رجل على عهد رسول الله فدفع القاتل الى وليه فقال القاتل : يا رسول الله ! والله ، ما أردت قتله ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أما ان كان صادقاً فقتلته دخلت النار ، فخلى عنه الرجل ، قال : وكان مكتوفاً بنسعة ، قال فخرج يجر نسعته ، قال : فكان يسمى ذا النسعة ۔ (جامع ترمذی، کتاب الديات ،سنن ابی داؤد، کتاب الديات)	حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں ایک شخص کو قتل کردیا گیا۔قاتل کو مقتول کے ولی کے حوالہ کیا گیا۔قاتل نے کہا، یارسول اللہ! خدا کی قسم، میں نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ حضرت محمدؐ نے (ولی مقتول سے) فرمایا: اگر یہ سچا ہے اور تم نے اس کو قتل کردیا تو تم جہنم میں چلے جاؤ گے تو ولی مقتول نے اس کو چھوڑ دیا۔حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ وہ (قاتل) ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔وہ ڈوری کو کھینچتا ہوا نکل کر گیا۔اس سے اس کا نام ڈوری والا پڑ گیا۔

اس حدیث کا مضمون پہلی حدیث کے مضمون جیسا ہے لیکن متن مختلف بلکہ متعارض ہے۔ روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی نے واقعے کی اصل ترتیب کو قائم نہیں رکھا ہے۔ایک دوسری روایت میں اسی واقعے کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

عن انس بن مالك رضى الله عنه أن رجلا أتى النبى صلى الله عليه وسلم بقاتل وليه فقال النبى صلى الله عليه وسلم : اعف عنه ، فأبى ، فقال : خذ الدية ، فأبى فقال : اذهب فاقتله فانك مثله ، فخلى سبيله ، فرؤى الرجل وهو يجر نسعته ذاهباً الى أهله ۔(۱۲)	حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ولی کے قاتل کو لے کر آیا، آپؐ نے فرمایا کہ اس کو معاف کردو۔وہ اس کے لیے راضی نہیں ہوا تو فرمایا کہ دیت لے لو، اس نے انکار کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ اس کو قتل کردو، تم بھی اسی کے مثل ہوجاؤ گے۔تو اس نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور اس (قاتل کو) دیکھا گیا کہ وہ

اپنی ڈوری کھینچتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا۔

دونوں روایتوں کو ملا کر دیکھیں تو واقعے کی صحیح صورت یہ بنتی ہے کہ جب قاتل نے نبیؐ کے سامنے بیان حلفی دیا ہوگا کہ اس نے بالارادہ قتل نہیں کیا ہے تو آپؐ نے ولی مقتول سے فرمایا ہوگا جیسا کہ پہلی حدیث میں ہے کہ دیت لے لو، اسے قتل نہ کرو۔ جب ولی مقتول نے قصاص لینے پر اصرار کیا ہوگا تو آپؐ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہوگا لیکن ان لفظوں میں نہیں جو روایت میں منقول ہیں۔ آپؐ کی ناگواری دیکھ کر ولی مقتول نے قاتل کو چھوڑ دیا ہوگا۔

اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرنا کہ قتل عمد میں قصاص اور دیت کے علاوہ معافی بھی ہے، زبردستی کی بات ہوگی۔ میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ اگر قتل کا واقعہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر اچانک پیش آ گیا ہو تو اس میں دیت اولیٰ ہے۔ اور اگر قاتل مفلوک الحال ہو تو ولی مقتول اسے معاف بھی کرسکتا ہے۔ یہ ایک استثنائی صورت ہے، اس کی تعمیم صحیح نہیں ہے۔

تیسری حدیث:

قال ما أتى النبى صلى الله عليه وسلم في شئ فيه قصاص الا أمر فيه بالعفو ۔ (نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)	حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہؐ کے پاس جب بھی قصاص کا کوئی مقدمہ آتا تو آپؐ اس میں معاف کرنے کا حکم دیتے۔

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے جناب بدر احمد مجیبی فرماتے ہیں:

> ''اس حدیث میں قتل عمد میں معافی کی پوری وضاحت موجود ہے کہ قصاص کا جب بھی کوئی معاملہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تو معافی کا حکم دیتے۔ یعنی آپؐ کی پہلی کوشش یہی ہوتی کہ معافی پر معاملہ ختم ہوجائے۔ اگر ولی مقتول راضی نہ ہوتا تو قصاص لیا جاتا''۔ (معارف نومبر ۲۰۱۲ء، ص ۳۲۵)

لیکن یہ حدیث اس روایت کے یکسر خلاف ہے جو صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اس روایت کا تعلق نبیؐ کے اس طویل خطبہ سے ہے جو آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر دیا تھا اور اس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ خود مجیبی صاحب نے اس خطبے کا ذکر کیا ہے (معارف نومبر ۲۰۱۲ء، ص ۳۲۶)۔ اس خطبے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری باتوں

کے علاوہ یہ بھی ارشاد فرمایا:

''جس شخص کا کوئی (ولی) قتل کر دیا جائے تو اس کو دو میں سے ایک چیز کا اختیار ہوگا، یا تو فدیہ (دیت) لے لے یا قصاص''۔ (صحاح ستہ)

اب موصوف فرمائیں کہ دونوں میں سے کون سی حدیث صحیح ہے؟ یقیناً صحاحِ ستہ میں مروی حدیث ہی صحیح ہے کہ یہ نص قرآن کے مطابق ہے۔

چوتھی حدیث:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : العمد قود الا أن يعفو ولي المقتول ۔ (سنن دارقطنی، کتاب الحدود والديات)	حضرت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: قتل عمد میں قصاص ہے سوا اس کے کہ مقتول کا ولی معاف کردے۔

پہلی بات تو یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی یہ روایت حدیث کی دوسری اہم کتابوں میں منقول نہیں ہے۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تیسری حدیث کی طرح اس چوتھی حدیث کا مضمون بھی صحاح ستہ میں مروی اس روایت کے خلاف ہے جس کا تعلق نبیؐ کے مکی خطبہ سے ہے۔ تیسری حدیث کے ذیل میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔

پانچویں حدیث:

ومن قتل له قتيل فهو بخير النظرين اما أن يفدى واما أن يقيد ۔ (صحاح ستہ)	جس شخص کا کوئی (ولی) قتل کر دیا جائے تو اس کو دو میں سے ایک چیز کا اختیار ہوگا یا تو فدیہ (دیت) لے یا قصاص لے''۔

صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی یہ روایت اس خطبے کا ایک حصہ ہے جو نبیؐ نے فتح مکہ کے موقع پر دیا تھا اور اس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ حیرت ہے کہ جناب بدر احمد مجیبی صاحب نے اس حصۂ حدیث کو کیوں نقل کیا جس سے ان کے اس نقطۂ نظر کی واضح تردید ہوتی ہے کہ قتل عمد میں قصاص اور دیت کے علاوہ معافی بھی ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد موصوف نے لکھا ہے کہ:

''یہ حدیث صحیح ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ قتل عمد میں قصاص کے

ساتھ فدیہ یعنی دیت کا ذکر بھی موجود ہے کہ ولی مقتول کو ان دونوں میں سے
ایک کو لینے کا اختیار ہوگا''۔ (معارف نومبر ۲۰۱۲ء، ص ۳۲۶)

موصوف کا یہ اعتراف دیکھ کر قارئین یقیناً حیران ہوں گے کہ اس حدیث صحیح کی موجودگی میں انہوں نے ضعیف حدیثوں کا سہارا کیوں لیا اور ایک منصوص حکم میں اضافہ کی ضرورت کیوں محسوس کی؟

چھٹی حدیث:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من أصيب بدم أو خبل والخبل الجراح فهو بالخيار بين احدى ثلاث ، فان أراد الرابعة فخذوا على يديه ، أن يقتل أو يعفو أو يأخذ الدية ، فمن فعل من ذلک شيئاً فعاد فان له نار جهنم خالداً مخلداً فيها ابداً ۔	حضرت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قتل یا جراحت کے معاملہ میں مبتلا ہو (یعنی ولی مقتول یا خود مجروح شخص) اس کو تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا۔ اگر وہ (ان تین کے علاوہ) چوتھا کام کرنا چاہے تو اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لو۔ (تین چیزیں یہ ہیں) کہ وہ (قصاص میں) قتل کرے یا معاف کردے یا دیت لے لے۔ جس نے ان میں سے کوئی کام کیا پھر لوٹ گیا (یعنی دیت لینے یا معاف کرنے کے بعد پھر قتل کر دیا) تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ برابر رہے گا۔
(دارمی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ)	

ابوشریح خزاعیؓ سے مروی یہ حدیث نفس مضمون کے اعتبار سے صحاح ستہ کی اس حدیث کے خلاف ہے جس کا ذکر ''پانچویں حدیث'' کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ اس روایت کے مطابق قتل عمد میں صرف قصاص اور دیت ہے، لیکن اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے، قصاص، دیت اور معافی۔

اس تعارض کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں سقم ہے اور وہ سقم 'دم' کا لفظ ہے جسے راوی نے دانستہ طور پر بڑھا دیا ہے☆۔ دراصل اس حدیث میں مجروح شخص کا بیان ہے، یعنی اگر

☆ اس کی دلیل یا ثبوت کیا ہے؟ (معارف)

کوئی شخص مجروح ہوجائے یعنی اس کا کوئی عضو کٹ کر الگ ہوجائے یا عضو کو ایسی جراحت پہنچے جس سے وہ بد ہیئت ہوجائے یا جراحت کی وجہ سے اس کی حس و حرکت ختم ہوجائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس جراحت کا قصاص لے، یا دیت قبول کرلے، یا جارح کو معاف کردے۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کا قتل عمد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن احادیث میں قتل عمد سے متعلق سزا میں معافی کا ذکر ملتا ہے اس کا تعلق اس قتل عمد سے ہے جس میں مقتول مرنے سے پہلے یہ وصیت کردے کہ اس کے قاتل سے قصاص نہ لے کر اسے معاف کردیا جائے۔ اس طرح کی حدیثوں کو نقل کرکے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ قتل عمد میں مجروح اور ولی مقتول دونوں کو معاف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ (معارف نومبر ۲۰۱۲ء، ص ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۹)

یہ کھلی مغالطہ انگیزی ہے۔ دونوں معاملے الگ الگ ہیں۔ قتل عمد میں جب کہ مقتول کو اپنے قاتل کے بارے میں وصیت کرنے کا موقع نہ ملا ہو اور اگر موقع ملا ہو لیکن کوئی وصیت نہ کی ہو، صرف قصاص اور دیت ہے۔ ولی مقتول کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو پہلے ہوچکی ہے۔ ہاں اگر مقتول نے مرنے سے پہلے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، قاتل کو معاف کرنے کی وصیت کردی ہے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ موطا کی درج ذیل روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

حدثنی یحیی عن مالک أنه أدرک من یرضی من أهل العلم یقولون فی الرجل اذا أوصی أن یعفی عن قاتله اذا قتل عمداً ان ذلک جائز له ، وأنه أولی بدمه من غیره من اولیاء ه من بعده ۔(موطا ،باب العفو عن قتل العمد)	یحیٰ امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اہل علم میں سے پسندیدہ لوگوں کو پایا ہے جو یہ کہتے تھے کہ جب کسی شخص کو عمداً قتل کردیا جائے اور وہ (مرنے سے پہلے) اپنے قاتل کو معاف کرنے کی وصیت کردے تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔ وہ اپنے بعد اپنے اولیاء کی بہ نسبت اپنے خون (کے بارے میں فیصلہ کرنے) کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

موطا کی اس روایت کو خود مجیبی صاحب نے نقل کیا ہے (معارف نومبر۲۰۱۲ء، ص ۳۳۶) لیکن اس کے باوجود وہ قتل عمد کے مذکورہ دونوں معاملات میں فرق کرنے سے قاصر رہے۔

شریعت موسوی سے استدلال: فاضل مضمون نگار نے اپنے مزعومہ خیال کی تائید میں شریعت موسوی سے بھی استدلال فرمایا ہے اور اس سلسلے میں درج ذیل آیت پیش کی ہے:

وَ کَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ کَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (مائدہ:۴۵)	اور ہم نے (تورات) میں یہودیوں پر فرض کیا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور (اسی طرح دوسری) جراحتوں کا بھی قصاص (یعنی بدلہ) ہے۔ پس جس نے معاف کردیا (یعنی قصاص نہیں لیا) تو وہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو یہی لوگ ظالم (یعنی خطا کار) ہیں۔ (ترجمہ راقم الحروف کا ہے)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے جناب بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں:

''یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس حکم کا لزوم صرف حضرت موسیٰؑ کی شریعت تک محدود تھا یا اب بھی یہ حکم باقی ہے؟ جمہور مفسرین وفقہاء کے نزدیک اس آیت کا حکم اسلامی شریعت میں بھی باقی ہے۔ اس سلسلے میں امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: **هذا الحکم وان کتب علیهم فهو مقرر فی شرعنا** (تفسیر جلالین، سورہ مائدہ) ''یہ حکم اگر چہ ان پر لازم کیا گیا تھا مگر ہماری ہماری شریعت میں بھی یہی مقرر ہے''۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: **وقد استدل کثیر ممن ذهب من الاصولیین والفقهاء الی أن شرع من قبلنا شرع لنا اذا حکی مقررًا ولم ینسخ کما هو المشهور عن**

الجمهور (تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۲۱) ''اصولیین اور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ شریعت سابقہ کے احکام جب (قرآن کریم یا حدیث نبوی میں) تقریر کے ساتھ (یعنی انکار کے بغیر) منقول ہوں اور ان کو منسوخ نہ کیا گیا ہو تو وہ ہماری شریعت ہی کے احکام ہیں جیسا کہ یہ جمہور کا مشہور قول ہے''۔ (معارف، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۵۹، ۲۶۰)

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں:

''الغرض مفسرین، فقہاء ومحدثین کے نزدیک سورۂ مائدہ کی یہ آیت صرف شریعت موسویہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامی میں بھی اس کا حکم باقی ہے''۔ (معارف، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۶۱)

لیکن یہ خیال درست نہیں ہے اور جن علماء وفقہاء نے یہ بات لکھی ہے انہوں نے شرائع میں اختلاف کے وجوہ پر باریک بینی سے غور وخوض نہیں کیا۔ خود جناب بدر احمد مجیبی نے اس معاملے میں اہل تفسیر کی اندھی تقلید کی ہے۔ اس عدم تدبر ہی کی وجہ سے موصوف نے سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اس آیت کریمہ میں سابقہ شریعت میں قصاص کا حکم بیان کیا گیا ہے'' (معارف اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۵۹)۔ محترم! اس آیت میں سابقہ شریعت یعنی شریعت موسوی کا حکم نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ قتل عمد کی سزا میں علمائے یہود نے جو تحریف کر دی تھی اس کی پردہ دری کی گئی ہے۔ بتایا گیا کہ اصل موسوی شریعت میں قتل عمد میں قصاص اور معافی ہے، دیت نہیں۔ یہ کھلی تحریف آج بھی تورات میں موجود ہے۔

موسوی شریعت میں قتل عمد کے مرتکب کو معاف کرنے کی جو اجازت دی گئی ہے اس کا اطلاق اسلامی شریعت پر اس لیے نہیں ہوگا کہ سورۂ بقرہ کی آیات ۱۷۸ اور ۱۷۹ نے اس سزا کے ایک حصے یعنی معافی کو منسوخ کر دیا ہے۔ ان آیات کی رو سے قتل عمد کی سزا قصاص اور دیت ہے، معافی نہیں اور اس پر مفصل گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

(باقی)

فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین
تعارف اور جائزہ

ظفر احمد صدیقی

فاضل اجل، عالم بے بدل علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی کی ذات گرامی صفات علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کی جامعیت اور تبحر وکمال پر علمائے عرب وعجم متفق اللسان ہیں۔ مولانا عبدالحیٔ حسنی ''نزہۃ الخواطر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وانی حضرت مجلسه غیر مرة ، فألفیته ...... عفیف النفس ، رقیق الجانب ، خطیبا مصقحا ، متبحرا فی العلوم معقولا و منقولا ، مطلعا علی دقائق الشرع وغوامضه ، تبحر فی العلوم ...... وانفرد فی الهند بعلم الفتویٰ ، فسارت بذکره المرکبات ، بحیث أن علماء کل اقلیم یشیرون الی جلالته ۔(۲۵۱/۸)	میں ان کی مجلس میں بارہا حاضر ہوا ہوں۔ میں نے ان کو...... پاک باز، نرم خو، فصیح و بلیغ مقرر، معقولات و منقولات دونوں میں عالم متبحر، شریعت کی باریکیوں اور نکتوں سے آگاہ پایا۔ علوم میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی ...... پورے ہندوستان میں فتوی نویسی میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا چنانچہ ہر طرف ان کا شہرہ پھیل گیا۔ یہاں تک کہ تمام ممالک کے علماء ان کی جلالت شان کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

علامہ موصوف نے درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے بہت سی معرکہ آرا اور بلند پایہ کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ایک ''فرحۃ المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین'' بھی ہے۔ پیش نظر مضمون میں اسی کا تعارف

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

مقصود ہے۔

''فرحۃ المدرسین'' مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی آخری تصنیف ہے۔ ابھی اس کی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ مصنف نے اس دارفانی سے رحلت فرمائی۔ یہ کتاب اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا مسودہ جو بہ خط مصنف ہے، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ ان کے تلمیذ رشید اور خالہ زاد بھائی مولانا محمد عبدالباقی انصاری لکھنوی کے قلم سے ہے۔ اس میں انہوں نے اس کتاب سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی جب ''**الفوائد البهية في تراجم الحنفية**'' کی تصنیف اور ''**التعليقات السنية**'' کے تحشیے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک جامع اور مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا جو اکابر کے تراجم اور معتبر و مستند تصانیف کے احوال پر مشتمل ہو، لیکن مشاغل کی کثرت اور وقت کی قلت کے باعث وہ اس منصوبے کی تکمیل نہ فرما سکے۔ پھر ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ مذکورالصدر موضوع سے متعلق انہوں نے جو کچھ مواد جمع فرمایا ہے اسے دو کتابوں کی شکل دے دیں۔ ان میں سے پہلی کتاب اصالتہً علمائے احناف اور دیگر مذاہب کے اہل علم کے تراجم پر مشتمل ہو اور تصانیف کا ذکر اس میں ضمناً ہو اور دوسری کتاب میں اصالتہً تصانیف کے احوال بیان کیے جائیں اور مصنّفین کے تراجم ضمناً ہوں۔ اس خیال کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے پہلی کتاب ''**طرب الأماثل في تراجم الأفاضل**'' کے نام سے مرتب کی اور اس کے مقدمے میں مندرجہ بالا باتوں کا ذکر بھی فرمایا۔ پھر دوسری کتاب ''**فرحة المدرسين بذكر المؤلفات و المؤلفين**'' کے عنوان سے ترتیب دی۔ اس کتاب کے حاشیے پر انہوں نے لکھا ہے کہ وہ اس کی تصنیف سے یکم ربیع الاول بروز چہار شنبہ ۱۳۰۳ھ کو فارغ ہوئے۔ ابھی اس پر مقدمہ لکھنے کی نوبت نہ آسکی تھی کہ انہوں نے ۲۹/ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو وفات پائی۔ یہ دونوں کتابیں حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہیں اور دونوں اس لحاظ سے ناتمام ہیں کہ ان میں چھ حروف تہجی (ث، ذ، ز، ط، ل، ی) کم ہیں۔

ہم اس کتاب کی ترتیب سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ مصنف کا طریق کار یہ ہے کہ وہ گفتگو کا آغاز کتاب کے نام سے کرتے ہیں۔ پھر صاحب کتاب کے نام، نسب اور نسبت

وغیرہ کا بیان کرتے ہیں ۔ پھر ایجاز کے ساتھ کتاب کی قدر و قیمت اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ اکثر و بیشتر اس کی صراحت بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ کہ اس کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے ۔ پھر خطبۂ کتاب سے وہ عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مقصد تالیف پر روشنی پڑتی ہے ۔ اس کے بعد طبقات و تراجم کی کتابوں کی مدد سے صاحب کتاب کے سوانح بیان کرتے ہیں ۔ پھر اس مصنف کی دوسری تصانیف کا ذکر کرتے ہیں ۔ ان تمام امور کے ذکر میں عموماً میانہ روی کا انداز اختیار کرتے ہیں ۔ البتہ کبھی کبھار شرح و بسط سے بھی کام لیتے ہیں ۔ اسی طرح بعض اوقات دو تین سطروں پر بھی اکتفا کر جاتے ہیں ۔

''**فرحة المدرسين**'' کے پیش نظر قلمی نسخے میں مشتملات کی کوئی فہرست نہیں ہے ۔ میں نے اس کتاب کا ورق ورق مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ مصنف نے اس میں جن کتابوں کا مستقلاً ذکر کیا ہے، ان کی مجموعی تعداد ۲۱۹ ہے ۔ ان میں بیشتر فقہ کی پھر حدیث اور تفسیر کی ہیں ۔ ان کے علاوہ سیرت ، تاریخ ، طبقات ، لغت ، اخلاق اور تصوف وغیرہ سے متعلق کتابوں کا بھی اس میں ذکر کیا گیا ہے ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے بعض اقتباسات یہاں پیش کیے جائیں تا کہ مصنف کا اسلوب اور طریق کار پوری طرح سامنے آجائے ۔ اس سلسلے کا آغاز ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے کیا جاتا ہے، اس کتاب سے متعلق مصنف تحریر فرماتے ہیں:

فتح البارى شرح صحيح البخارى ، شرح لطيف ، قد أقبلت عليه الأمة ، واعتمد عليه الأئمة ، قد طالعته ، أوله : ''الحمد لله الذى شرح صدور أهل الاسلام بالهدى''، الخ ، ثم قال : '' أما بعد فقد آن الشروع فيما قصدته من شرح الجامع الصحيح على ما وعدت ، وكنت عزمت على أن أسوق حديث الباب بلفظه قبل شرحه ، ثم رأيت ذلك مما يطول به الكتاب جدا ، فسلكت الآن طريقا وسطى ، أرجو نفعها الخ ۔

قال السيوطى فى حسن المحاضرة : ابن حجر امام الحفاظ فى زمانه ، قاضى القضاة شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن على بن محمد

بن علی الکنانی العسقلانی ، ولد سنة ثلاث و سبعین و سبع مأة ، وتعلم أولا الشعر ، فبلغ فیه الغایة ، ثم طلب الحدیث ، فسمع الکثیر و رحل و تخرج بالحافظ العراقی ، وبرع فیه ، وتقدم فی جمیع فنونه ، وانتهت الیه الرحلة والریاسة فی الحدیث فی الدنیا بأسرها ۔

وألف کتبا کثیرة کشرح البخاری ، و تغلیق التعلیق ، وتهذیب التهذیب ، وتقریب التهذیب ، ولسان المیزان ، والاصابة فی احوال الصحابة ، ونکت ابن الصلاح ، ورجال الأربعة ، والنخبة و شرحها ، وتبصیر المنتبه بتحریر المشتبه ، وتقریب المنهج بترتیب المدرج ۔

وأملی أکثر من ألف مجلس ، توفی فی ذی الحجة سنة اثنین وخمسین وثمان مأة ، وختم به الفن ، حدثنی الشهاب المنصوری شاعر العصر انه حضر جنازته ، فأمطرت السماء علی نعشه ، وقد قرب الی المصلیٰ ، ولم یکن زمان مطر ، قال فانشدت فی ذلک الوقت ۔

قد بکت السماء علی قاضی القضاة بالمطر
وانهدم الرکن الذی کان مشیداً من حجر

وقد مدح السخاوی وهو من تلامذة ابن حجر فی ذیله غایة مدح وذکر فیه أن ابتداء تالیف فتح الباری فی أوائل سنة سبع عشرة وثمان مأة علی طریق الاملاء ، بعد أن کملت مقدمته فی مجلد فخم فی سنة ثلاث عشرة ، وسبق منه الوعد للشرح ، ثم صار یکتب بخطه شیئا فشیئا ، ثم یکتب الکراسة ، ثم یکتبها الأئمة المعتبرون ، ویعارض من الأصل ، مع المباحثة فی یوم من الأسبوع الی أن انتهیٰ فی أول یوم رجب سنة اثنین وأربعین و ثمان مأة ۔

ولما تم ، عمل مصنفه ولیمة عظیمة لم یتخلف عنها من وجوه المسلمین الا نادرا فی یوم السبت ثانی شعبان ، وقرئ فی المجلس

الأخير ، وحضر هناک الأئمة کالقایاتی والونائی والسعد ویری ، وکان المصروف فی الولیمة المذکورة نحو خمس مأة دینار ، انتهی ملتقطا ـ

واختلف فی تلقیبه بابن حجر ، فقیل لکثرة ماله و ضیاعه ، فالمراد بالحجر الذهب والفضة ، وقیل لجودة ذهنه وصلابة رأیه ، بحیث لا یرد علیه ایراد مورد ، وقیل الحجر اسم أبیه الخامس ، کذا فی شروح النخبة ـ(ص۹۷-۹۵)(ترجمہ)

(فتح الباری شرح صحیح بخاری ایک عمدہ شرح ہے۔امت کا اس کی طرف التفات اور ائمہ کا اس پر اعتماد ہے ـ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے ـ اس کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے ''الحمد لله الذی شرح صدور اهل الاسلام بالهدی الخ'' پھر وہ خطبۂ کتاب میں فرماتے ہیں: اپنے وعدے کے مطابق میں جامع صحیح کی شرح شروع کرتا ہوں۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ ہر باب کی حدیث اس کے الفاظ کے ساتھ نقل کروں اس کے بعد اس کی شرح کروں ، پھر مجھے محسوس ہوا کہ اس طرح کتاب بہت طویل ہوجائے گی ـ اب میں نے درمیانی راہ اختیار کی ہے مجھے امید ہے کہ یہ نفع بخش ہوگی۔الخ

سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں: ابن حجر اپنے زمانے کے امام الحفاظ ہیں، وہ قاضی القضاۃ تھے۔ان کا پورا نام شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن علی الکنانی العسقلانی ہے ـ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے ـ پہلے شاعری سیکھی یہاں تک کہ اس میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے ـ پھر فن حدیث کی تحصیل کی چنانچہ کثرت سے احادیث سنیں اور اس کے لیے سفر کیا۔ حافظ عراقی کی خدمت میں رہ کر فارغ التحصیل ہوئے ـعلم حدیث میں مہارت حاصل کی اور حدیث کے تمام فنون میں سب سے آگے نکل گئے ـ یہاں تک کہ پوری دنیا میں رحلت حدیث اور ریاست حدیث انہیں پر ختم ہوگئی۔

انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً شرح بخاری ، تغلیق التعلیق ، تهذیب التهذیب ، تقریب التهذیب ، لسان المیزان ، الاصابة فی احوال الصحابه ، نکت ابن الصلاح ، رجال الاربعه ، نخبه ، شرح نخبه ، تبصیر المنتبه بتحریر

المشتبه اور تقریب المنهج بترتیب المدرج وغیرہ۔

انہوں نے ایک ہزار سے زیادہ املا کی مجلسیں منعقد کیں ۔ ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔ فن حدیث انہیں پر ختم ہوگیا۔ مجھ سے شہاب منصوری شاعر وقت نے بیان کیا کہ وہ ان کے جنازے میں موجود تھے۔ جنازہ مصلی کے قریب پہنچا تھا کہ بارش ہوگئی، حالانکہ بارش کا موسم نہ تھا۔ شہاب کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے یہ اشعار پڑھے: (ترجمہ)

آسمان بارش کی شکل میں قاضی القضاۃ پر رویا

وہ ستون زمیں بوس ہوگیا جو پتھر سے تعمیر ہوا تھا

سخاوی نے جو ابن حجر کے تلامذہ میں ہیں اپنے ذیل میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ فتح الباری کی تصنیف کی ابتدا املا کے طرز پر ۸۱۷ھ کے اوائل میں ہوئی۔ اس کا مقدمہ ایک ضخیم جلد میں ۸۱۳ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔ اس میں وہ شرح لکھنے کا وعدہ کر چکے تھے۔

پھر یہ صورت ہوئی کہ ابن حجر اپنے ہاتھ سے تھوڑا تھوڑا لکھتے، پھر ایک کاپی کے بہ قدر تیار کرتے۔ پھر اسے معتبر ائمہ نقل کرتے، پھر اصل سے مقابلہ کرتے۔ پھر ہفتے میں ایک دن اس پر مباحثہ ہوتا، یہاں تک یہ شرح یکم رجب ۸۴۲ھ کو مکمل ہوگئی۔

جب شرح مکمل ہوگئی تو ابن حجر نے ایک بہت بڑی دعوت کی جس میں تقریباً تمام سر برآوردہ مسلمان شریک ہوئے۔ دعوت کی یہ تقریب سنیچر کے دن ۲ رشعبان ۸۴۲ھ کو منعقد ہوئی۔ آخری مجلس میں اسے پڑھا گیا۔ اس دعوت میں ائمۂ وقت مثلاً قایاتی ونائی اور سعد دیری شریک ہوئے۔ اس دعوت میں پانچ سو دینار خرچ ہوئے۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان کا لقب ابن حجر کیوں ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے مال اور جائداد کی کثرت کی وجہ سے انہیں یہ لقب دیا گیا۔ اس صورت میں حجر سے مراد سونا چاندی ہوگا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے ذہن کی عمدگی اور رائے کی درستگی اس لقب کا سبب بنی، کیونکہ ان پر کسی معترض کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ پانچویں پشت میں ان کے جد امجد کا نام حجر تھا۔ یہ بیانات شروح نخبہ سے ماخوذ ہیں۔

فتح الباری سے متعلق مصنف کی عبارت یہاں بہ تمام وکمال نقل کی گئی ہے تا کہ اس کتاب میں ان کا اسلوب اور طریق کار پوری طرح سامنے آجائے۔اب ہم بعض دوسری کتابوں سے متعلق ان کے بیانات جستہ جستہ نقل کرتے ہیں۔عمدۃ القاری سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"عمدة القارى شرح صحيح البخارى للعينى ، قد طالعته ، اوله : "الحمد لله الذى أوضح وجوه معالم الدين الخ" وهو شرح لطيف ، ...... قال فى كشف الظنون : هو بخطه فى احدى و عشرين مجلدا بمدرسته التى أنشاها بالقرب من الجامع الأزهر ، وشرع فى تآليفه فى أواخر شهر رجب سنة احدى و عشرين وثمان مأة ، وفرغ منه فى الجمادى الأولى سنة سبع و اربعين ، واستمد فيه من فتح البارى بحيث ينقل الورقة بكمالها ، وكان يستعيره من البرهان بن الخضر باذن مصنفه ، وتعقبه فى مواضع ، وطوّله بما تعمد الحافظ ابن حجر حذفه ، من سياق الحديث بتمامه ،وافراد كل من تراجم الرواة ، وبيان الأنساب واللغات والاعراب والمعانى والبيان ، واستنباط الفوائد من الأحاديث ـ

حكى بعض الفضلاء أنه ذُكر لابن حجر ترجيح شرح العينى بما استمل عليه من البديع وغيره ، فقال بديهة : هذا شيئ نقله من شرح ركن الدين ، وقد كنت وقفت عليه قبله ، ولكن تركت النقل عنه اكونه لم يتم ، وانما كتب منه قطعة ، ولذا لم يتكلم العينى بعد تلك القطعة بشيئ من ذلك ، وبالجملة فشرح العينى شرح حافل كامل ، لكن لم ينتشر كانتشار فتح البارى فى حياة مولفه ، وهلم جرّا انتهى۔(ص۸۷-۸۸)(ترجمہ)

عینی کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:"الحمد لله الذى أوضح وجوه معالم الدين الخ" یہ ایک عمدہ شرح ہے......صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: یہ عینی کے خط میں ۲۱ جلدوں میں اس مدرسے میں موجود ہے جسے جامع ازہر کے قریب عینی نے قائم کیا تھا۔عینی نے اس کی تصنیف کا آغاز

اواخر ماہ رجب ۸۲۱ھ میں کیا تھا اور وہ اس سے جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ میں فارغ ہوئے۔ انہوں نے اس کی تصنیف میں فتح الباری سے اس طرح استفادہ کیا ہے کہ وہ بعض اوقات اس سے پورا ورق نقل کر لیتے ہیں۔ وہ فتح الباری کو اس کے مصنف کی اجازت سے برہان بن خضر کے توسط سے مانگ لیا کرتے تھے۔ عینی نے متعدد مقامات پر صاحب فتح الباری کی گرفت بھی کی ہے۔ انہوں نے ان چیزوں کے ذریعے اپنی شرح کو دراز کر دیا ہے، جنہیں حافظ ابن حجر نے ارادی طور پر حذف کر دیا تھا۔ مثلاً حدیث کو مکمل طور پر نقل کرنا، ہر راوی کا مستقلاً تذکرہ، انساب، لغات، اعراب، معانی اور بیان سے متعلق امور کی تفصیل اور احادیث سے فوائد کا استنباط۔

بعض اہل فضل نے بیان کیا کہ حافظ ابن حجر سے ذکر کیا گیا کہ عینی کی شرح اس لحاظ سے فائق ہے کہ اس میں علم بدیع سے متعلق صنعتوں کا بیان بھی ہے تو انہوں نے فی الفور جواب دیا کہ یہ تو وہ چیز ہے جسے انہوں نے رکن الدین کی شرح سے نقل کر لیا ہے اور میں عینی سے پہلے شرح رکن الدین سے واقف تھا، لیکن میں نے اس سے کچھ نقل نہیں کیا، کیونکہ یہ شرح مکمل نہیں ہے، رکن الدین نے شرح کا صرف ایک ٹکڑا لکھا تھا۔ اسی لیے عینی نے اس ٹکڑے کے بعد بدیع وغیرہ سے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ فی الجملہ عینی کی شرح بھرپور اور مکمل ہے، لیکن وہ مصنف کی زندگی اور بعد کے ادوار میں فتح الباری کی طرح پھیل نہ سکی، کشف کا اقتباس مکمل ہو گیا۔

صحیح بخاری کی ایک اور شرح ارشاد الساری سے متعلق رقم طراز ہیں:

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری للعلامة أحمد بن محمد الخطیب القسطلانی المصری الشافعی فی عشر مجلدات ، شرح موجز ، نافع للمدرسین ، حاو لما ینفع المستفیدین ، قد طالعته ۔

وقد کان بین القسطلانی والسیوطی مناقشة ، وکل منهما یرد علی الآخر فی تصانیفه ، حتی قال القسطلانی فی شرح حدیث قصة موسی مع الخضر المروی فی صحیح البخاری : ''ولا ریب فی أن

هـذه الـقـصة أبـلـغ رد على من فى هذا العصر حيث فاه بقوله : أنا أعلم خلق الله ، انتهى ، وأشار بذلک الى السيوطى فانه الذى ادعیٰ ذلک فی عصره ۔

وذکـر صاحب کشف الظنون : يحکی أن جلال الدين السيوطى کـان يـنقصه ، ويزعم أنه يسرق من کتبه ، ويستمد منها وينسب النقل اليـه ، وادعـیٰ عـليه بذالک بين يدی شيخ الاسلام زکريا الانصاری ، فـالـزمـه ببيـان مـدعـاه ، فـقال : انه نقل من البيهقى وله عدة مولفات ، فـلـيـذکر لنا انه ذکر فی أی مولفاته ، لنعلم انه نقله عنه ، ولکنه رأی فی مولفاتی فنقله ، وکان الواجب عليه أن يقول : نقل السيوطى عنه ۔

ثم ان القسطلانی قصد ازالة ما فی خاطره ، فمشى من القاهره الى الـروضة ، وکـان السيوطى معتزلاً من الناس بها ، فوصل الى بابه ودقه ، فـقـال لـه : من أنت ؟ فقال : أنا القسطلانی جئت اليک حافيا لتطييب خاطرک ، فقال له : قد طاب ، ولم يفتح الباب ۔(ص۸-۱۰) (ترجمہ)

ارشادالساری شرح صحیح البخاری: اس کے مصنف علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی مصری شافعی ہیں ۔ یہ دس جلدوں میں مختصراور بلیغ شرح ہے ۔ یہ مدرسین کے لیے نفع بخش اوراستفادہ کرنے والوں کے لیے فوائد پرحاوی ہے ۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے......۔

قسطلانی اور سیوطی کے درمیان کچھ نزاع تھی ۔ دونوں اپنی تصانیف میں ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ سے متعلق صحیح بخاری میں مروی حدیث کی شرح میں قسطلانی نے لکھا: بلاشبہ اس قصے میں عہد حاضر کے اس شخص کی زبردست تردید ہے جس نے کہا ہے کہ میں اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ صاحب علم ہوں، اس قول کے ذریعے قسطلانی نے سیوطی کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ ان کے زمانے میں سیوطی نے ہی اس طرح کا دعویٰ کیا تھا۔

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: بیان کیا جاتا ہے کہ جلال الدین سیوطی ،قسطلانی

کی عیب جوئی کرتے رہتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ قسطلانی ان کی کتابوں سے چوری کرتے ہیں،اس سے استفادہ کرتے ہیں اور نقل کی ہوئی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔ انہوں نے شیخ الاسلام زکریا انصاری کے سامنے بھی یہی دعویٰ کیا۔شیخ نے کہا کہ وہ اپنے دعوے کی وضاحت کریں تو سیوطی نے کہا کہ قسطلانی نے بیہقی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے۔بیہقی کی متعدد تصانیف ہیں لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ یہ بتائیں کہ بیہقی نے روایت اپنی کس کتاب میں ذکر کی ہے،تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ انہوں نے اس کتاب سے نقل کی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے روایت میری کتابوں میں دیکھی اور نقل کردی ہے۔لہٰذا ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہ کہتے کہ بیہقی سے روایت سیوطی نے نقل کی ہے۔

پھر قسطلانی نے یہ چاہا کہ وہ سیوطی کے دل سے کدورت کا ازالہ کردیں،لہٰذا وہ قاہرہ سے روضہ گئے ، جہاں لوگوں سے کنارہ کش ہوکر سیوطی قیام پذیر تھے۔ چنانچہ وہ ان کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی۔سیوطی نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا میں قسطلانی ہوں،آپ کے دل کو خوش کرنے کے لیے آپ کے پاس پا پیادہ حاضر ہوا ہوں۔سیوطی نے جواب میں کہا وہ خوش ہوگیا،لیکن دروازہ نہیں کھولا۔

مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مدح ہو یا قدح کہیں بھی جادۂ اعتدال سے تجاوز نہیں فرماتے۔ چنانچہ انہوں نے فرحۃ المدرسین میں بھی یہی روش اختیار کی ہے کہ تصانیف کا ذکر ہو یا مصنفین کا وہ ہر جگہ میانہ روی کی راہ اختیار کرتے ہیں،یعنی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ کمیوں کا مناسب انداز میں ذکر کرتے ہیں۔مثلاً امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''وہ ایک عمدہ کتاب اور بلند پایہ تصنیف ہے میں نے اس کا بہ کثرت مطالعہ کیا ہے اور اس سے بے پناہ استفادہ کیا ہے۔میں نے محسوس کیا کہ یہ کتاب اپنے مصنف کے وفور علم کی گواہی دیتی ہے اور ان کے تبحر کا بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہے۔محققین کے ایک جم غفیر اور تبحرین کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تعریف کی ہے''۔

اس کے ساتھ ہی علامہ ابن تیمیہ کا یہ بیان بھی نقل کرتے ہیں:

''ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں ردشمس کی حدیث پر کلام کرتے ہیں فرماتے ہیں: طحاوی اہل علم کی پرکھ کی طرح احادیث کی پرکھ کی عادت نہیں رکھتے۔ اسی لیے وہ شرح معانی الآثار میں مختلف احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ پھر اکثر و بیشتر از روئے قیاس ''جسے وہ حجت سمجھتے ہیں'' بعض احادیث کو راجح قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر روایات از روئے اسناد مجروح اور غیر ثابت ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ انہیں اہل علم کی طرح اسناد کی معرفت حاصل نہیں تھی۔ اگرچہ وہ کثیر الحدیث فقیہ عالم ہیں''۔(ص۳۵-۳۶)

مولانا عبدالحئی نے **فرحة المدرسین** میں کہیں کہیں ایک ہی فن کی چند کتابوں کے درمیان موازنہ بھی کیا ہے۔ ایسے مواقع پر آپ کے بیانات آپ کی وسعت علم اور دقت نظر کا پتہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ ہدایہ کی شرحوں میں ''النھایة'' سب سے بلند رتبہ ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا کہ ''النھایة'' کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ خود میری رائے یہ ہے کہ مسائل کی تفصیل کے لحاظ سے ''النھایة'' سب سے بلند ہے اور دلائل کی توضیح کے لحاظ ''النھایة'' سب پر فائق ہے اور دلائل کی تدقیق اور مسائل کی تحقیق کے نقطۂ نظر سے ''فتح القدیر'' سب سے بلند پایہ ہے۔ اس لیے کہ اس کے مصنف نے اس کتاب میں ایک مسلک عجیب اور مذہب غریب اختیار کیا ہے۔ وہ بسا اوقات خاموشی اور آہستگی کے ساتھ حنفیہ پر ان مسائل کے سلسلے میں اعتراض کر دیتے ہیں، جہاں انہیں کوئی دلیل نہیں ملتی اور مذہبی تعصب اور مسلکی تشدد کے بغیر قوت دلیل سے ثابت شدہ چیز کو اپنا لیتے ہیں۔ اسی لیے تم دیکھو گے کہ ان کے بعد آنے والے محققین ان کے مختارات کو قبول کر لیتے ہیں اور ان کے اقوال کو اپنی تصانیف میں نقل کرتے ہیں۔ مثلاً صاحب غنیۃ، صاحب بحر، صاحب فتح المنان، صاحب رسائل الارکان اور

صاحب مرقاۃ وغیرہ''۔(ص۹۳)

مولانا عبدالحیٔ نے امام نووی کی شرح صحیح مسلم کے بارے میں بھی بہت عمدہ گفتگو کی ہے، جسے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ایک متوسط انداز کی شرح ہے یعنی اس میں نہ ملال انگیز طول کلام ہے نہ خلل انداز اختصار۔اس میں حدیث کے الفاظ اور معانی کی تحقیق بھی ہے اور راویوں کے احوال اور علتوں کا ذکر بھی ہے۔اس کے ساتھ ہی تحقیق اور اختصار کے ساتھ اختلاف مذاہب اور ان کے دلائل کا بیان بھی ہے۔اس کتاب کا مطالعہ اوج کمال تک پہنچانے والا ہے۔یہ کتاب شہادت دیتی ہے کہ اس کے مصنف کو سابق شارحین پر برتری حاصل ہے اور علمائے راسخین کے درمیان ان کا درجہ بہت بلند ہے''۔(ص۳۷-۳۸)

فرحة المدرسین کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب میں صرف ایک ہندوستانی مصنف کا ذکر آیا ہے اور وہ شیخ عبدالنبی بن احمد بن عبدالقدوس گنگوہی ہیں، جو مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے معاصر تھے۔مولانا عبدالحیٔ نے **فرحة المدرسین** میں ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ایک ''**السنن الهدی**'' اور دوسری ''**کتاب الرد علی صلوة القفال**''۔

فرحة المدرسین مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے دور آخر کی تصنیف ہے، جس کی تکمیل و تہذیب کا انہیں موقع نہ مل سکا۔اس لیے اس میں کہیں کہیں عدم توازن کا احساس ہوتا ہے۔مثلاً ''**بلوغ المرام**'' کا تذکرہ صرف ڈیڑھ سطر میں ہے۔آگے بیاض چھوٹی ہوئی ہے۔اسی طرح جامع ترمذی سے متعلق صرف تین سطریں ہیں۔دوسری جانب ابن ارسلان کی ''**صفوة الزبد**'' کے ذیل میں شمس الدین سخاوی کی **الضوء اللامع** سے ۶ صفحات کا اقتباس نقل کیا گیا ہے۔اسی طرح ''**الکشف الحثیث عمن روی بوضع الحدیث**'' کے تذکرے میں بھی **الضوء اللامع** سے سات صفحات نقل کیے گئے ہیں۔ولی الدین عراقی کی ''**شرح سنن ابی داؤد**'' کے تحت کتاب کے متعلق گفتگو بہت کم ہے۔زیادہ حصہ مصنف کے احوال پر مشتمل ہے۔ان سب کے باوجود یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ''**فرحة المدرسین بذکر المولفات والمولفین**''

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی ایک اہم اور گراں قدر تصنیف ہے۔ضرورت ہے کہ اس کا ایک تحقیق شدہ ایڈیشن شائع کیا جائے۔چونکہ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے اس لیے آیندہ صفحات میں ان تصانیف کی فہرست پیش کی جاتی ہے جن کا اس کتاب میں مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے:

(الألف)

۱- اغاثة اللهفان لابن القيم
۲- احياء العلوم للامام الغزالى
۳- الأشباه والنظاير لابن نجيم
۴- أنموذج اللبيب فى خصائص الحبيب للسيوطى
۵- الاتقان فى علوم القرآن للسيوطى
۶- ارشاد السارى للقسطلانى
۷- الأنوار للعلامة يوسف الأردبيلى
۸- أعلام النبلاء للذهبى
۹- الاكمال لابن ماكولا
۱۰- الأنساب للسمعانى
۱۱- الامام بأحاديث الأحكام لابن دقيق العيد الشافعى
۱۲- الاستذكار لمذاهب الأعصار لابن عبدالبر
۱۳- انسان العيون فى سيرة النبى المامون لعلى بن ابراهيم الحلبى
۱۴- الاستيعاب فى احوال الاصحاب لابن عبدالبر
۱۵- آكام المرجان فى أحكام الجان للقاضى بدرالدين الشبلى الحنفى
۱۶- الأذكار للنووى
۱۷- الارشاد والتطريز لعبد الله اليافعى
۱۸- الاسرار لأبى زيد الدبوسى
۱۹- الايضاح شرح التجريد للكرمانى
۲۰- الأزهار المتناثرة فى الأخبار المتواترة للسيوطى
۲۱- الأسوس فى كيفية الجلوس لقاسم بن قطلوبغا الحنفى
۲۲- الاصل فى بيان الوصل لقاسم بن قطلوبغا
۲۳- الاصابة فى احوال الصحابة لابن حجر العسقلانى

(الباء)

۲۴- البحر الرائق لابن نجيم
۲۵- البناية للعينى
۲۶- البدائع للكاشانى أو الكاسانى
۲۷- البزازية لابن البزار
۲۸- بهجة النفوس شرح صحيح البخارى لعبد الله بن سعد الاندلسى
۲۹- البدور السافرة فى أحوال الآخرة للسيوطى
۳۰- البرهان شرح مواهب الرحمٰن كلاهما لابراهيم بن موسى الطرابلسى
۳۱- بستان العارفين للنووى
۳۲- بلوغ المرام فى احاديث الاحكام لابن حجر العسقلانى

۳۳- (التاء) تعریفات الجرجانی للسید شریف الجرجانی
۳۴- تنویر الأبصار لشمس الدین الخطیب التمرتاشی الحنفی
۳۵- تحفة الملوک للعلامة زین الدین محمد بن أبی بکر الرازی الحنفی
۳۶- التوضیح لشارح الوقایة صدر الشریعة
۳۷- التلویح للتفتازانی
۳۸- تبیین الحقائق لعز الدین عثمان بن الزیلعی
۳۹- التبیین شرح منتخب الحسامی لقوام الدین أمیر کاتب
۴۰- تحریر الأصول لابن الهمام
۴۱- تهذیب الأسماء واللغات للنووی
۴۲- تاریخ ابن کثیر
۴۳- تفسیر المحلی للسیوطی
۴۴- تفسیر ابن أبی حاتم
۴۵- تفسیر ابن مردویه
۴۶- تفسیر المحلی لمحمد بن أحمد المحلی
۴۷- تفسیر الطبری
۴۸- تفسیر البیضاوی

(ج)

۴۹- جامع الرموز للقهستانی
۵۰- الجواهر النفیسة شرح الدرة المنیفة
۵۱- جواهر الفتاویٰ للامام رکن الدین الکرمانی
۵۲- جامع الترمذی
۵۳- جامع الأحکام الصغار

(ح)

۵۴- حاشیة الحیالی علی شرح العقائد النسفیة
۵۵- حاشیة الدرر والغرر لحسن بن عمار الشرنبلالی
۵۶- حاشیة الدرر لنوح آفندی
۵۷- حاشیة الدرر المختار للطحطاوی
۵۸- حاشیة مراقی الفلاح للطحطاوی
۵۹- الحصن الحصین من کلام سید المرسلین للجزری
۶۰- حاشیة البحر الرائق لخیر الدین الرملی
۶۱- حاشیة منح الغفار لخیر الدین الرملی
۶۲- حاشیة تفسیر البیضاوی للخفاجی
۶۳- حلیة الأولیاء لأبی نعیم
۶۴- حیاة الحیوان للدمیری

(خ)

۶۵- خلاصة الفتاویٰ لطاهر بن عبدالرشید البخاری
۶۶- الخلاصة فی أصول الحدیث للطیبی
۶۷- الخیر الباقی لجواز الوضوء من الفساقی لابن نجیم
۶۸- الفتاوی الخیریة لخیر الدین الرملی

(د)

۶۹- الدرر المختار للحصکفی

۷۰- الدرة المنیفة للعلامة محمد بن عمر الأزهری
۷۱- الدر المنتقی شرح ملتقی الأبحر للحصکفی
۷۲- درر الحکام لملاّ خسرو
۷۳- رسالة ابن أبی زید فی فقه المالکیة
۷۴- رسالة فی عدم فساد الصلوٰة برفع الیدین لمحمود القونوی
۷۵- الروضة للنووی
۷۶- رسالة القشیری
۷۷- رمزالحقائق شرح کنزالدقائق لبدر الدین العینی

(س)

۷۸- سنن الدار قطنی
۷۹- سنن البیهقی
۸۰ سنن ابن ماجه
۸۱- سنن أبی داؤد
۸۲- السراج الوهاج للهدادی
۸۳- سعادة أهل الاسلام بالمصافحة عقیب الصلوٰة والسلام الشرنبلالی
۸۴- السراج المنیر بشرح الجامع الصغیر للسیوطی
۸۵- سنن الهدیٰ فی متابعة المصطفی لعبد النبی بن أحمد الگنگوهی

(ش)

۸۶- شرح النقایة للبرجندی
۸۷ شرح النقایة لالیاس زاده
۸۸- شرح معانی الآثار للطحاوی
۸۹- شرح مسند الامام الاعظم بروایة الحصکفی لعلی القاری
۹۰- شرعة الاسلام لامام زاده
۹۱- شرح الفاظ المختصر للازهری
۹۲- شرح النقایة للشمنی
۹۳- شرح الکافیة للرضی
۹۴- شرح سنن أبی داؤد للنووی
۹۵- شرح سنن أبی داؤد لولی الدین العراقی
۹۶- شرح أربعین للبهاء العاملی
۹۷- شرح صحیح مسلم للنووی
۹۸- شرح المهذب للنووی
۹۹- شرح مسند الشافعی الرافعی
۱۰۰- شرح موطا محمد لعلی القاری
۱۰۱- شرح الصدور فی احوال الموتیٰ و القبور للسیوطی
۱۰۲- شرح الدرروالغررلاسماعیل النابلسی
۱۰۳- شرح الجامع الصغیر للمناوی
۱۰۴- شرح منیة المصلی الصغیر للحلبی
۱۰۵- شرح الجامع الصغیر لقاضی خان
۱۰۶- شرح المشکوٰة لابن حجرالهیثمی المکی
۱۰۷- شرح هدیة ابن العماد لعبد الغنی النابلسی
۱۰۸- شرح السیر الکبیر للسرخسی
۱۰۹- شرح الاصل أی المبسوط للحلوائی
۱۱۰- شرح مجمع البحرین لابن ملک
۱۱۱- شرح ألفیة الحدیث للعراقی

۱۱۲- شرح الشفاء للخفاجی
۱۱۳- شرح مسلم للقاضی عیاض
۱۱۴- الشفاء فی تعریف حقوق المصطفی للقاضی عیاض
۱۱۵- شرح الهدایة للسراجی
۱۱۶ شرح المصابیح للقاضی البیضاوی
۱۱۷- شرح المؤطا للسیوطی
۱۱۸- شرح المنهاج للمحلی
۱۱۹- شرح معانی الآثار للعینی
۱۲۰- شرح نخبة الفکر لابن حجر
۱۲۱- شرح الجامع الصغیر للصدر الشهید
۱۲۲- شرح سنن ابن ماجة لابن الملقن

(ص)

۱۲۳- الصحاح للجوهری
۱۲۴- صفوة الزبد لابن أرسلان

(ض)

۱۲۵- ضیاء الساری شرح صحیح البخاری لعبد الله بن سالم المکی
۱۲۶- الضیاء المعنوی شرح مقدمة الغزنوی لابن الضیاء

(ظ)

۱۲۷- الظهیریة لظهیر الدین محمد بن احمد

(ع)

۱۲۸- العنایة شرح الهدایة للشیخ اکمل الدین الحنفی
۱۲۹- العون للقاضی علاء الدین المروزی
۱۳۰- عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی
۱۳۱- عمدة المنسوخ من الحدیث لابن الاهدل
۱۳۲- عیون الأثر فی فنون المغازی والسیر لابن سید الناس
۱۳۳-عمل الیوم واللیلة لابن السنی
۱۳۴- العلل المتناهیة فی الاحادیث الواهیة لابن الجوزی

(غ)

۱۳۵- غنیة المصلی للعلامة ابراهیم الحلبی

(ف)

۱۳۶- فتح القدیر لابن الهمام
۱۳۷- فتح الغفار شرح المنار لابن نجیم
۱۳۸- فتح الباری لابن حجر العسقلانی
۱۳۹- فوائد النسفی للقاضی أبی علی الحسین النسفی الحنفی
۱۴۰- فتاوی قاضی خاں
۱۴۱- فتاوی قاسم بن قطلوبغا
۱۴۲- الفوائد الجلة فی اشتباه القبلة
۱۴۳- الفصول المهمة فی مناقب الأئمة

(ق)

۱۴۴- القاموس المحیط للفیروزآبادی
۱۴۵- القنیة للزاهدی أبی الرجاء

(ک)

۱۴۶- الکوکب المنیر حاشیة الجامع الصغیر (للسیوطی) لتلمیذه محمد بن العلقمی الشافعی
۱۴۷- کتاب الترغیب والترهیب للمنذری

۱۴۸- الکافیة لابن الحاجب
۱۴۹- الکشاف للزمخشری
۱۵۰- کنز الدقائق لحافظ الدین النسفی
۱۵۱- کشف الأسرار وقد یقال کشف أصول البزدوی للعلامة عبدالعزیز البخاری
۱۵۲- الکافی شرح الوافی کلاهما لحافظ الدین النسفی
۱۵۳- کتاب الناسخ والمنسوخ للنحّاس
۱۵۴- کتاب الناسخ والمنسوخ لأبی القاسم هبة الله الأنصاری
۱۵۵- کتاب الناسخ والمنسوخ لأبی داؤد السجستانی
۱۵۶- کتاب المعرفة للبیهقی
۱۵۷- کتاب العلل لابن أبی حاتم الرازی
۱۵۸- کتاب غرائب مالک للدارقطنی
۱۵۹- کتاب الآثار لمحمد بن حسن الشیبانی
۱۶۰- کتاب الضعفاء لابن حبان
۱۶۱- کتاب الرد علی امام الحرمین
۱۶۲- الکشف الحثیث ممن رمی بوضع الحدیث بسط ابن العجمی
۱۶۳- کتاب الرد علی المنخول للکردی
۱۶۴- کتاب السواک لأبی نعیم الأصبهانی
۱۶۵- کتاب الرد علی صلوٰة القفال لعبد النبی بن أحمد الهندی
۱۶۶- الکاشف للذهبی
۱۶۷- الکاف الشاف فی تخریج أحادیث الکشاف لابن حجر العسقلانی

(م)

۱۶۸- المغرب فی اللغة للمطرزی
۱۶۹- منح الغفار شرح تنویر الأبصار للتمرقاشی
۱۷۰- مرقاة المفاتیح لعلی القاری
۱۷۱- المقاصد الحسنة للسخاوی
۱۷۲- المغنی عن حمل الأسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الأخبار للعراقی
۱۷۳- المنح الوافیة شرح المقدمة العزیزیة فی فقه المالکیة للعلامة محمد بن محمد المالکی
۱۷۴- المنار فی أصول الفقه لحافظ الدین النسفی
۱۷۵- المستصفی شرح الفقه النافع للنسفی
۱۷۶- المفید والمزید للکردری
۱۷۷- مرآة الاصول شرح مرقاة الوصول کلاهما لملا خسرو
۱۷۸- مختارات النوازل لصاحب الهدایة
۱۷۹- مراقی الفلاح شرح نور الایضاح کلاهما لحسن الشرنبلالی
۱۸۰- المجتبی شرح مختصر القدوری للزاهدی
۱۸۱- منهاج السنة لابن تیمیة وهو رد لمنهاج الکرامة للحلّی الشیعی
۱۸۲- منظومة ابن وهبان فی الفقه
۱۸۳- محمل اللغة لابن فارس اللغوی
۱۸۴- مقاییس اللغة لابن فارس
۱۸۵- مغنی اللبیب لابن هشام النجوی

۱۸۶- المقتصد لعبد القاهر الجرجانی
۱۸۷- المفصل للزمخشری
۱۸۸- المدارک لحافظ الدین النسفی
۱۸۹- مفاتیح الجنان لیعقوب بن سید علی الحنفی
۱۹۰- مرقاۃ الصعود شرح سنن أبی داؤد للسیوطی
۱۹۱- المحیط للسرخسی
۱۹۲- المحیط البرهانی لصاحب الذخیرۃ
۱۹۳- معالم التنزیل للبغوی
۱۹۴- المعجم الکبیر للطبرانی
۱۹۵- المعجم الصغیر للطبرانی
۱۹۶- المعجم الأوسط للطبرانی
۱۹۷- المستدرک للحاکم
۱۹۸- مشارق الانوار علی صحاح الآثار للقاضی عیاض
۱۹۹- المقامة الوردیة للسیوطی
۲۰۰- المقامة المسکیة للسیوطی
۲۰۱- مفتاح الحصن الحصین حاشیة علی حصن الحصین لمؤلفة
۲۰۲- المجرد فی الفقه لحسن بن زیاد اللولوئی
۲۰۳- مجمع البحرین لابن الساعاتی
۲۰۴- المنبع شرح للمجمع، مولفه غیر معلوم
۲۰۵- معراج الدرایة فی شرح الهدایة لقوام الدین الکاکی
۲۰۶- مقدمة ابن الصلاح فی علوم الحدیث
۲۰۷- مقدمة فتح الباری لابن حجر العسقلانی
۲۰۸- معالم التنزیل للبغوی
۲۰۹- مصابیح السنة للبغوی
۲۱۰- منحة السلوک شرح تحفة الملوک للعینی
۲۱۱- ملتقی الأبحر لابراهیم الحلبی
۲۱۲- مجمع الانهر لشیخ زاده
۲۱۳- معالم السنن شرح سنن أبی داؤد للخطابی
۲۱۴- مرآة الجنان للیافعی

(ن)

۲۱۵- النهایة فی شرح الهدایة لحسام الدین بن علی السغناقی
۲۱۶- نهایة غریب الحدیث لابن الاثیر الجزری
۲۱۷- النهر الفائق شرح کنز الدقائق
۲۱۸- نصب الرایة لأحادیث الهدایة للزیلعی

(ه)

۲۱۹- الهدایة شرح البدایة کلاهما للمرغینانی

نظیری کے قصائد میں
عہد اکبر و جہاں گیر کی عکاسی

ڈاکٹر علاء الدین خاں

ہندوستان میں ادبیات فارسی کی تاریخ و تنقید پر دو اہم کتابیں ایک ہی عہد میں لکھی گئیں، انگریزی میں پروفیسر براؤن کی ''لٹریری ہسٹری آف پرشیا'' اور اردو میں علامہ شبلی کی ''شعر العجم''۔ اردو جاننے والوں کو شعر العجم نے فارسی زبان سے وابستہ رکھا ہے اور ان کے ذوق شاعری کو سنوارا ہے، علامہ شبلی نے اپنی اس کتاب میں ایک ہزار سال کی ایرانی شاعری کی تاریخ رقم کردی ہے، پوری کتاب ادب و معانی کا گلدستہ ہے، اس کتاب کی علمی حیثیت بہت بلند ہے، علامہ شبلی نے شاعروں کے تین ادوار قائم کیے ہیں، قدماء، متوسطین اور متاخرین، ہر شاعر کے خصوصیات کلام کو اس طرح بیان کیا ہے کہ نقد و تجزیہ کا حق ادا کردیا ہے۔

شعر العجم کے حصہ سوم میں فغانی، فیضی، عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری، طالب آملی، صائب اصفہانی اور ابو طالب کلیم کی فارسی شاعری نیز احوال و کوائف کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے، علامہ شبلی نے نظیری کے شاعرانہ کمالات کا جو تجزیہ کیا ہے اس سے ارباب ذوق کو بڑی مدد ملتی ہے، علامہ لکھتے ہیں کہ:

> ''نظیری نئے الفاظ اور نئی تراکیب کے ایجاد کرنے کی شریعت کا اولوالعزم پیغمبر ہے، اس نے سینکڑوں نئے الفاظ اور سینکڑوں نئی ترکیبیں ایجاد کیں، یہ الفاظ پہلے سے موجود تھے لیکن جس موقع پر اس نے کام لیا یا جس انداز سے ان کو برتا، شاید پہلے اس طرح برتے نہیں گئے تھے (۱) مثلاً

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ تاریخ، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ۔

از کف نمی دہد دل آساں ربودہ را دیدیم زور بازوی نا آزمودہ را''

علامہ شبلی کہتے ہیں یہاں آسان ربودہ کی ترکیب نئی ہے اوراس سے ایک وسیع خیال ادا ہوگیا، دوسرے مصرع میں زور بازو، نا آزمودہ سب مستعمل الفاظ ہیں لیکن ان سے نئے طرح سے کام لیا ہے، کہنا یہ تھا کہ معشوق کم سن ہے اوراس کوکسی طرح کا تجربہ نہیں، تاہم جس شخص کا دل اس پرایک دفعہ آجاتا ہے پھراس کے پنجے سے چھوٹ نہیں سکتا، اس مضمون کووہ یوں ادا کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک نا آزمودہ بازو میں کس قدرزور ہے (۲)۔ مولانا شبلی نظیری کے سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ وہ اکثر وجدانی باتوں کوایسے طریقے سے ادا کرتا ہے کہ مجسم بن کرسامنے آجاتی ہے۔ مثلاً:

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است (۳)

شعرالعجم میں علامہ شبلی نے نظیری کی شاعری پر جوکچھ لکھا ہے اس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے اشعار میں تنوع، استعارات کی زیبائش، اسلوب کی جدت اورتازگی، فصاحت، حسن ادا، تناسب، اقتضاء، رنگ آمیزی مضامین لطیف کے بیان میں دلنشینی کی بڑی فراوانی ہے، اس کی شاعری درستی اورسلاست روی سے بھی خالی نہیں ہے اوراس کے دیوان میں زمانہ کے مکالمات ومحاورات کے روشن نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔

محمد حسین نظیری نیشاپور میں پیدا ہوئے (۴) یہیں ابتدائی تعلیم ہوئی، عالم جوانی میں عراق اورخراسان کا سفر کیا، نہاوندی نے لکھا ہے کہ:

> ''ابھی نظیری خراسان میں ہی تھا کہ اس کی شاعری کا چرچا تمام فارس اورعراق میں پھیل گیا، جب نظیری کاشان پہنچا تو وہاں اس نے مولانا حاتم فہمی، مقصود خردہ، شجاع اور رضائی جیسے معروف شعراء کے ساتھ طرحی غزلیں کہیں''۔ (۵)

مغلوں کی علم نوازی اورمعارف پروری سے ایران، بخارا، سمرقند، ہرات اورترکستان سے علماء وشعراء ہندوستان آئے اورانہوں نے شعروشاعری کوغیر معمولی ترقی دی اورشاعری میں عظیم تخلیقات پیش کیں، آئین اکبری میں ۵۹ شعراء کا ذکر ہے جن کی اکبر نے مستقل طور پرسرپرستی

کی (۶) اور عزت افزائی کی غرض سے ملک الشعراء کا عہدہ قائم کیا، مغل عہد میں عبدالرحیم خان خاناں کی زر پاشی اور ادب پروری کی شہرت ہندوستان سے باہر پھیل چکی تھی اس لیے نظیری ہندوستان آیا اور آگرہ میں خان خاناں سے ملاقات کی، اس کی وساطت سے اس کی رسائی شہزادہ مراد، اکبر اور جہاں گیر کے دربار میں ہوتی رہی مگر اس نے ان درباروں سے وابستہ ہونے کے بجائے خان خاناں ہی کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کرنا پسند کیا، اسے اپنے فن کو انتہائے کمال تک پہنچانے کا موقع بھی خان خاناں کی سرپرستی میں ملا، وہ خان خاناں کی مجلسوں میں اپنی غزل اور قصیدوں کی فصاحت و بلاغت کی داد برابر پاتا رہا، وہ اپنے شاعرانہ کمالات کا اظہار کر کے خان خاناں کو محظوظ کرتا اور انعام پاتا (۷)، نظیری نے خان خاناں کی مدح میں لمبے لمبے قصیدے کہے ہیں، جب اس کے لڑکے مرزا ایرج کی پیدائش ہوئی تو اس نے ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے:

برزمین آوردہ رحمت رادعائے مستجاب   زادہ مہ بر دامنِ صبحِ سعادت آفتاب (۸)

مغل عہد کے شعراء، بادشاہ، امراء اور شاہزادوں کی تعریف میں قصائد کہا کرتے تھے، قصیدہ میں بادشاہ کی ستائش کے ساتھ ساتھ دربار کی آرائش، نشاط و نغمہ کی محفلوں، جشن و تقریبات، سفر و شکار سے متعلق معلومات ملنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ طبقہ کی معاشرتی زندگی کا نقشہ بھی سامنے آتا ہے، قصائد میں ملکی حالات کا عکس بھی نظر آتا ہے گویا بعض امور میں یہ قصائد زمانے کی تاریخ کے آئینہ دار بھی ہیں، نظیری نیشاپوری کے قصائد ماحول کی خارجی کیفیات کی عکاسی کرتے ہیں اور اکبر و جہاں گیر کے عہد کی سچی تصویر بھی پیش کرتے ہیں۔

نظیری کے قصائد میں اکبر کے ذاتی کردار کی عکاسی، رعایا کی سرپرستی، درباری شان و شوکت، رسوم جشن ولادت، تاریخی واقعات، سماجی حالات، جنگوں کے مناظر، قلعہ آمیر کی فتح، مہم دکن، طریقہ جنگ، نیز فن موسیقی وغیرہ سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔

نظیری کے کلام میں عہد اکبر و جہاں گیر کے تاریخی واقعات بھی ملتے ہیں، مثلاً اکبر نے عبدالرحیم خان خاناں کو تسخیر دکن کا حکم دیا تو جس دن سالار اعظم خان خاناں کو کوچ کرنا تھا، اسی روز اس کا لڑکا مرزا ایرج پیدا ہوا، لہٰذا اس روز تسخیر دکن کا ارادہ ملتوی کر دیا، اس واقعہ کا ذکر نظیری نے اپنے کلام میں اس طرح کیا ہے:

قصہ کوتہ بسکہ تسخیر دکن موقوف کرد مژدہ مولود ایرج بدر خورشید انتساب (۹)

ہندوستان میں مغل حکمراں میں اکبر روشن خیالی، فراست اور کریم النفسی کے اعتبار سے منفرد مقام کا حامل ہے، وہ اپنے دربار میں علماء، شعراء، مصوروں اور موسیقاروں کی ہمت افزائی کرتا تھا، نظیری بھی اکبر کے عہد میں ہندوستان میں موجود تھا، اس نے اکبر کے ذاتی کردار کی عکاسی اپنے قصائد میں کی ہے:

شہ از سریر خراماں شدہ بسوی سریر
مثال ابر بہاری روانہ بر اطلال
جلال دین و دول شاہ اکبر غازی
خلیفۂ بسزا ، داور خجستہ خصال (۱۰)

اکبر ایک قومی حکمراں تھا، بلاتفریق مذہب وملت رعایا کی سرپرستی کرتا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا نیز ہمیشہ ان کے لیے فکرمند رہتا، اس سلسلے میں نظیری لکھتا ہے:

بہ بذل و رفقِ تو آسودہ تن صغیر و کبیر
تو کد خدائی جہان و جہاں تراست عیال

نظیری نے شہزادہ سلیم کی پیدائش کے موقع پر جو قصیدہ کہا ہے اس میں اس نے جلال الدین محمد اکبر کی عظمت و رفعت، اس کے جاہ وجلال، درباری شان وشوکت اور ولادت کے موقع پر ہونے والی رسم وروایت کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔ مثلاً

کشیدہ ماہ جلالی بطالع فیروز فراز چتر سپہری سرادقات جلال
بہ فرّ وشان ہمایوں نشست برمسند بقدرت ملک العرش ایزد متعال

جشن ولادت کے موقع پر حرم سرا میں رقص وسرود کی محفلیں بھی سجتی تھیں اور دربار کو مشعل وقمقمے وغیرہ سے سجایا بھی جاتا تھا، اس طرح کے جشن کی مصوری نظیری نے اپنے قصائد میں کی ہے۔ مثلاً:

سریر گشت مزین بصد حلی و حلل ملک نشست بزینت بصد قبول جمال
زعکس مشعل و شمع حریم مجلس او سپہر گشت پر از شکل بدر ونقش ہلال (۱۱)

نظیری کے کلام اور قصائد کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جشن ولادت اور اسی قسم کی دوسری تقریبات میں مسخروں اور بھانڈوں کی ٹولیاں بھی حاضر ہوا کرتی تھیں جن سے لوگ محظوظ ہوا کرتے تھے، یہ لوگ رنگ برنگ کے لباس میں ملبوس نمودار ہوتے اور ان کے خاص انداز و کردار نیز نغموں سے حاضرین لطف اندوز ہوتے۔ نظیری لکھتا ہے:

زفوج فوج ظریفاں ولون لون لباس جہاں بہ جلوہ در آمد باحسن الاشکال

میٔ چنیں و چوخم خانہ انجمن در جوش زبانگ نغمۂ قوال و خندۂ ہزّال (۱۲)

جشن ولادت یا اس قسم کی دیگر تقریبات پر جب محفلیں سجتی تھیں تو محفل ناؤنوش میں جو انداز شراب نوشی تھا اس کی عکاسی درج ذیل لفظوں میں کی ہے:

پیالہ ز شراب مثلثش در کف کہ سوی نکہتِ او روح کردہ استقبال

بجامش از دہن بط اگر بریزی زود گلوز مشک شود بستہ اش چو نافِ غزال

ز لطفِ ساقیٔ او عہد را بزاید شوق ز قول مطرب او دہر را بگیرد مال (۱۳)

اکبر خود موسیقی کا بڑا دلدادہ تھا، ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ وہ اکثر استادوں سے بہتر تھا، اس کے دربار میں ہرات، مشہد اور خراسان کے ماہرین فن تھے، موسیقی کی مقبولیت مغل بادشاہوں کے دربار، امراء کی مجلس اور عام معاشرت میں بڑھ گئی اور اکبر کی فیاضانہ سرپرستی کے باعث موسیقی دربار کی ایک روایت بن گئی۔

عہد اکبری میں فن موسیقی اپنے عروج پر تھا، نظیری نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

مغلیان حریمش بزخمۂ برناخن زصحن سینہ کشایند چشمہائے زلال (۱۴)

یعنی مغنیان ساز کے تاروں کو اپنے زخمۂ ناخن سے اس طرح چھیڑ رہے ہیں کہ ان کے سروں اور تانوں میں ایک اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے گویا صحن دربار میں نغمات کے چشمے جاری ہوگئے، جب ان کی انگلیاں ساز کے تاروں پر تیزی سے حرکت کرتی ہیں تو اہل دربار کے دلوں کے تاروں میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ (۱۵)

نظیری کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے مغل عہد خصوصاً اکبر کے دور میں جنگ کے مناظر بچشم خود دیکھے اور اس کا ذکر اپنی نظموں میں کیا، وہ لکھتا ہے کہ میدان جنگ میں اکبر

دشمنوں کا سامنا بڑی بہادری سے کرتا تھا اور تیزی وتندہی سے دشمنوں کا مقابلہ بھی کرتا، جب وہ تیر چلاتا ہے تو میدان جنگ لاشوں سے بھر جاتا ہے، وہ خود اپنی تلوار سے لڑتا ہے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس کر ان کے تن سروں سے جدا کر دیتا ہے۔

قیامتست قیامت گہی کہ از سرگین ‌ ‌ برزم معرکہ آرا شود بقصد جدال

رہ برون شدان از قیدتن نیابد روح ‌ ‌ زبسکہ معرکہ گردد زکشتۂ مالامال

اجل ز بد گہران خاک را فرو ببرد ‌ ‌ تن زمین شود از زخم تیر چوں غربال

زبسکہ تفرقہ افتد بہ پیکر اعداء ‌ ‌ ز ضربت دم شمشیر و خنجر قتال

جدا زسرتن وتن از قدم دو دہر سو ‌ ‌ کہ مرگ را نشود برقبض روح مجال (۱۶)

آمیر کے قلعہ کی فتح کے موقع پر نظیری نے اکبر کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس سے قلعہ سے متعلق معلومات کے ساتھ اس وقت کے طریقۂ جنگ کا بھی علم ہوتا ہے جب راجہ قلعہ بند ہوگیا تو راجہ کے فوجیوں نے سیڑھیاں لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی تو وہ اکبر کے جاہ و جلال کو دیکھ کر بدحواس ہوگئے اور جب رات کی تاریکی میں اسلحہ سے لیث قلعہ کے برج پر آگئے تو اس وقت اکبر کی فوج نے جس طرح مقابلہ کیا ہے اور گولے بارود برسائے ہیں، اس کی عکاسی نظیری نے بڑی خوش اسلوبی سے کی ہے:

بیان فتح آنبیر از قیاس بیرون است ‌ ‌ نخست قصۂ عالی گرت کنم تقریر

چوں نردبان عقول وحواس رابستہ ‌ ‌ کہ برشوند بدیوار اولیٔ تسخیر

زبس گرانی اندیشہ پایہا بشکست ‌ ‌ قضا می رفتہ بیفتاد برسر تدبیر

نظر بسلسلۂ ممکنات افگندند ‌ ‌ جدار قلعہ مہین بود پای مور قصیر

بضرب توپ بہر برج گولہ اندازان ‌ ‌ نشستہ برسر آتش کدہ چو راہب پیر

دلیر بود بخوں ریز خصم می گفتم ‌ ‌ کہ آخرش بعقوبت شوند دامن گیر (۱۷)

جہاں گیر علماء وشعراء کی قدر کرتا تھا، اپنی تخت نشینی کے بعد اس نے نظیری کو درباری شعراء کے حلقے میں جگہ دی، تزک جہاں گیری میں لکھا ہے کہ میں نے نیشاپور کے نظیری کو جو فن شاعری میں دوسروں پر فضیلت رکھتے تھے بلا بھیجا تھا، جو اس وقت گجرات میں ایک تاجر کی طرح زندگی بسر کر رہے

تھے،آئے اور میرے حضور حاضر ہوئے اور اپنی لکھی ہوئی ایک نظم پیش کی، میں نے ایک ہزار روپئے، ایک گھوڑا اور ایک خلعت تحفہ میں پیش کیا(۱۸)،اس واقعہ کا ذکر نظیری نے کچھ اس طرح کیا ہے:

ناگاہ درآید زدرم بانگ کہ گوید فرمان طلب آمدہ از شاہ فلاں را
بی کفش و عمامہ بدر از خانہ دویدم نی کردہ قبانی دربرو بستہ میاں را(۱۹)

نظیری کے کلام میں عہد جہاں گیر کے واقعات کی عکاسی ملتی ہے،اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں گیر سے قبل ملک کے داخلی سیاسی حالات اچھے نہیں تھے،اکبر کی مذہبی پالیسی کی وجہ سے انتشار و بے چینی تھی، جہاں گیر کے تخت نشین ہوتے ہی تبدیلی آئی،اس کے بادشاہ ہونے پر باطل کو شکست فاش ہوئی اور حق وصداقت کا قیام عمل میں آیا،نظیری رقم طراز ہے:

برتخت ہند والیٔ ہندوستان نشست جان جہان بمردم چشم جہاں نشست
اقبال خاندان ہمایوں بلند شد زیں دولت ہمای کہ برآشیاں نشست
تسکین گرفتہ فتنۂ وترتیب یافت ملک صاحب خرد بمسند صاحب قراں نشست
والا سریر ملک کہ والی مملکت سلطان سلیم شاہ ولایت ستاں نشست
حکمش بہفت گوشہ اقلیم تکیہ زد حزمش بچار بالش امن واماں نشست(۲۰)

جہاں گیر ایک زیرک حکمراں تھا، وہ نرم دل، کریم النفس اور انصاف کا شیدائی تھا،اس نے انسان دوستی کا مظاہرہ کیا اور عدل وانصاف کو اہمیت دی،گھنٹیوں سے مزین ایک طلائی زنجیر بنوا کر آگرے میں قصر شاہی میں لٹکانے کا حکم دیا تا کہ دن ہو یا رات،کسی وقت مظلوم اور فریادی آکر اسے کھینچیں اور انصاف پائیں،مجموعی طور پر اس کا عہد حکومت رعایا کے لیے امن وخوشحالی کا پیام لایا،صنعت وتجارت کو فروغ ملا،اس کی سرپرستی میں فن مصوری اپنے معراج کمال کو پہنچا، اس نے عدل وانصاف اور آرٹ کو اپنی حکومت میں خاص مقام عطا کیا،نظیری نے جہاں گیر کی سیاست،اس کی خوش خلقی اور عدل گستری کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے:

ترکیب کہن تازہ شد آئین زمان را نو داد نسق ، شاہ جہاں گیر جہاں را
از قاعدہ دانی سپہ و ملک نسق کرد آری بہ نسق کار شود قاعدہ داں را
گویند کہ در روز نخستین دل ودستش ضامن شدہ محصول یم ومحاصل کاں را(۲۱)

عدل جہاں گیری سے متعلق وہ لکھتا ہے:

زعدل او ہمہ اموات ذی حیات شدند بخاک بیں کہ بر و روح را مبین بنی
مدبری کہ اولی الامری خلافت را بشان دولت او آیت مبین بنی (۴۲)

نظیری نے ایک قصیدہ جہاں گیر کی اس منقش شاہ نشین کی تعریف میں بھی کہا ہے جو آبنوس اور ہاتھی کے دانت سے بنائی گئی تھی، قصیدہ ملاحظہ ہو:

بہشت شاہ نشیں بیں کہ دل نشیں بنی بدائع رقم صورت آفرین بنی
ہزار مانی بر چوب بستہ یابی دست کہ رشک صنعت چینی و نقش چیں بنی
ستارہ دوختہ بر سقف آسماں یابی بنفشہ ریختہ بر سطح یاسمیں بنی
در و نجوم مصور بنقش پیرائے نظیر کارگہ چرخ ہفتمیں بنی
جمال شاہ جہاں گیر و زیب ایں محفل صفای رضوان در جنت بریں بنی (۴۳)

مذکورہ اشعار سے عہد جہاں گیر کی صنعت گری اور مختلف فن میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

نظیری نے اگر چہ بہت سے درباروں کی آستاں بوسی کی لیکن اس کا تعلق خان خاناں کے دربار سے تھا، اکبر جہاں گیر اور مراد تو حکمران وقت تھے، ان کی مداحی نہ کرتا تو کیا کرتا، بہ خلاف اور شعراء کے مذہب میں سخت تھا، اکبر کے دربار میں جن آزادانہ خیالات کے چرچے رہتے تھے ان سے بہت جلتا تھا (۴۴)، اس نے شہزادہ مراد کی شان میں جو قصیدہ کہا تھا، اس میں اس زمانہ کے ملحدانہ خیالات اور دین الٰہی پر طعن کیا ہے اور ابوالفضل یا مبارک کا نام بھی کنایۃً لیا ہے اور شہزادہ مراد کی تعریف کی ہے کہ وہ اس سے محفوظ رہا۔

طبیعت ہمہ ابنائے دہر ملحد شد ولے زفطنتِ تو بر طرف فتاد الحاد
اگر چہ فضلۂ از فاضلان حامل دہر بہ طمع جاہ و غنا کرد مذہبے ایجاد
پس از حصول مرادات حال آں فاسد مثل چو باغ ارم گشت وحسرت شداد (۴۵)

نظیری نے قصیدے اور غزل دونوں لکھے ہیں، اس کی شاعری عہد مغل کی عام شاعری کی طرح توانائی، خطر طلبی اور قوت وصلابت کی نمائندگی کرتی ہے، زندگی میں بلاؤں سے مقابلہ کرنا اور تلخی و ناگواری کو اپنے ذوق کا حصہ بنالینا، ہنگامہ وآشوب سے دلچسپی لینا، نظام کہنہ سے بیزاری اور

کسی نئی دنیا کی تخلیق کی آرزو یہ سب نظیری کے کلام میں موجود ہیں۔ وہ معاملہ بندی میں منفرد ہے اور مغلوں کے زمانے کا کوئی شاعر اس پائے کا نظر نہیں آتا، نظیری کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ سچائی کے ساتھ توانا اور رعب دار تھا، اس کے یہاں سچائیوں کا راست بیان، احتجاج کا نعرہ، سخت کوشی اور توانائی ایک اولوالعزم اور باہمت آدمی کا حوصلہ نظر آتا ہے۔

حواشی

(۱) علامہ شبلی نعمانی، شعر العجم، حصہ سوم، دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۷۔ (۲) ایضاً، ص ۱۱۷-۱۱۸۔ (۳) ایضاً، ص ۱۱۹۔ (۴) ملا عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، ج ۳، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ پریس، ۱۹۲۷ء، ص ۱۱۶-۱۱۸۔ (۵) ایضاً، حوالہ مذکور۔ (۶) ابوالفضل، آئین اکبری، ج ۱، بنگال ۱۸۷۷ء، ص ۲۶۲-۲۳۵۔ (۷) سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، ج ۱، ص ۳۲۰-۳۲۱، دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۹۵۔ (۸) ایضاً، ص ۳۲۲۔ (۹) کلیات نظیری، در مطبع نامی نول کشور، ص ۳۵۰، سنۂ اشاعت درج نہیں۔ (۱۰) ایضاً، ص ۳۱۸۔ (۱۱) ایضاً، ص ۳۱۷۔ (۱۲) ایضاً، ص ۳۱۷-۳۱۸۔ (۱۳) ایضاً، ص ۳۱۸۔ (۱۴) ایضاً، ص ۳۱۸۔ (۱۵) پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۴، فارسی ادب دوم، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۳۰۴۔ (۱۶) کلیات نظیری، ص ۳۱۹۔ (۱۷) ایضاً، ص ۳۵۸۔ (۱۸) تزک جہاں گیری، ج ۱، ص قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۳۰۸۔ (۱۹) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، حوالہ مذکور، ص ۳۰۸۔ (۲۰) کلیات نظیری، ص ۳۶۰۔ (۲۱) ایضاً، ص ۳۶۱۔ (۲۲) ایضاً، ص ۳۶۷۔ (۲۳) ایضاً، ص ۳۶۶-۳۶۷۔ (۲۴) شعر العجم، حصہ ۳، ص ۱۱۵۔ (۲۵) ایضاً، ص ۱۱۶۔

عہد عالم گیری
میں دکن کا نظم و نسق، مال گزاری اور فوجی معاملات

سید شکیل احمد انور

ڈاکٹر سید داؤد اشرف صاحب نے پونہ یونیورسٹی سے ۱۹۸۸ء میں ہسٹری میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان عہد اورنگ زیب عالم گیر دکن کا نظم و نسق (Administration of Deccan during Aurangzeb's Reign) تھا اور نگران کار ڈاکٹر اے آر کلکرنی تھے۔

پونے کا نام عہد عالم گیری میں 'محی آباد' رکھا گیا تھا اور یہ حسن اتفاق ہے کہ وہیں کی یونیورسٹی نے ڈاکٹر داؤد اشرف کو محی الدین احمد اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں نظم و نسق صوبہ دکن پر پی ایچ ڈی سے نوازا ہے۔مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کو مرہٹہ شاہی کا صف اول کا دشمن مانا گیا ہے لیکن یہ امر لائق تحسین ہے کہ ڈاکٹر کلکرنی کی نگرانی میں اعلیٰ علمی و تحقیقی روایت قائم ہوئی اور غیر متعصّبانہ طریقے پر کیے گئے ڈاکٹر سید داؤد اشرف کے اس عہد ساز علمی و تحقیقی کارنامے کو سند اعتبار سے نوازا گیا۔

عہد عالم گیری کا یہ ایک اہم ترین واقعہ تھا کہ ہزاروں سال بعد برصغیر ہند ایک متحدہ ملک بنا۔مہاتما بدھ کے پیرو اشوک اعظم کے بعد ایک مسلمان فرماں روا کے دور میں یہ تاریخی واقعہ رونما ہوا۔عیسائی انگریز حکمرانوں نے اس عالم گیری روایت کو باقی رکھا مگر وہ بھی جاتے جاتے ۱۹۴۷ء میں برصغیر کو دو حصوں میں بانٹ گئے۔

حیدرآباد کی مشہور عالمی نمائش میں محکمہ آرکائیوز کا اسٹال لگا کرتا تھا۔اسی محکمہ میں مغلیہ دور

۴۹۹ پرانی حویلی، حیدرآباد۔

کے صوبہ دکن کے بیس لاکھ دستاویزات محفوظ ہیں ایک مرتبہ محکمہ کی جانب سے مغلیہ دور کے دو تاریخی دستاویزات دیکھ کرعوام الناس ہی نہیں اعلیٰ سرکاری عہدے دار بھی حیرت میں پڑ گئے اور اورنگ زیب عالم گیر کے بارے میں اپنے خیالات بدلنے پر مجبور ہوئے۔

ایک فرمان کے حاشیہ پر عالم گیر نے تبادلہ کے احکام کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ مصالح انتظامی کی بناپر اگرچہ کہ مالوہ سے گجرات تبادلہ کیا گیا ہےلیکن شخصی وجوہ سے صوبےدار متعلقہ متبدلہ مقام پر نہ جانا چاہیں تو وہ ایسا کرلیں۔موجودہ انتظامی ضابطہ یہ ہے کہ متبدلہ عہدے دار پہلے اپنے نئے مقام پر جاکر رجوع بکار ہو اور پھر بعد میں اپنے عذرات کو پیش کرے۔لیکن عالم گیر نے عہدے دار کے شخصی وجوہات کو سرکاری احکام پر ترجیح دے کرانوکھی مثال قائم کی تھی۔

برہان پور میں ہر سال محرم کے تعزیہ اور گنیش وسرجن جلوس کے موقع پر ہندو مسلم فساد کو عالم گیر نے نہایت غیر متعصّبانہ مگر پرحکمت طریقے پر فیصلہ کیا جس سے عوام الناس میں امن کے قیام کا زریں کارنامہ انجام پایا۔

کسی حکومت کی کامیابی میں اس کے نظم ونسق،امن عامہ اور عدل وانصاف کے قیام کا بڑا دخل ہوتا ہے پھر حکمرانی بھی فرقہ وارانہ طور پر حساس ملک پر جہاں ہندو مسلم تعلقات کی درستگی میں مسلم حکمران کا رویہ کانٹے کا معاملہ قرار پائے۔اس طرح کی صورت حال میں ملک کے انتظامی ڈھانچہ اوروصولی مال کے محکمہ کی عمل داری جیسے اہم اورنازک امور کی تحقیق میں ڈاکٹر داؤد اشرف نے دستاویزی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کس بلند پائے کے حکمراں تھے اورفرقہ وارانہ طور پر بدنام اور مذہبی معاملات میں تنگ نظرانہ شبیہ کے باوجود ان امور کے برعکس ایک رعایاپرور، عادل اوراعلیٰ درجہ کے منتظم حکمراں تھے۔

نظم ونسق کے مختلف معاملات کی جھلکیاں: اسی طرح کے ایک معاملے میں جالنہ کے ایک برہمن مہادیو بھٹ ولد گنگادھر بھٹ نے شہنشاہ کے نام اپنے شکایت نامہ میں لکھا تھا کہ مقامی عہدے دار اس کی پوجاپاٹ میں جو وہ گنیش جی کے لیے کرتا ہے رکاوٹ ڈالتے ہیں۔عالم گیر نے اس کا فوری نوٹس لیا اور متعلقہ حکام کو گنیش جی کی پوجاپاٹ میں کسی بھی رکاوٹ کے ڈالنے سے روک دیا۔

انتظام مملکت کے معاملے میں ادنیٰ واعلیٰ، مسلم وغیر مسلم، اعزہ واقربا یا اجانب کی کوئی قید نہیں تھی۔

جب شائستہ خاں صوبے دار دکن نے شیواجی کے مقابلے میں کمزوری دکھائی اور مغل افواج کو ہزیمت کا سامنا ہوا تو اس کا تبادلہ دکن سے بنگال کر دیا گیا اور شہنشاہ سے ملاقات کیے بغیر اسے اپنے نئے مستقر پر رجوع ہونا پڑا۔

راجے جئے سنگھ جو دکن پر پہلی مغلیہ فوج کشی کے کماندار تھے انہیں جب دکنی مسلم حکمرانوں کے خلاف ہزیمت اٹھانا پڑی تو انہیں اس مہم سے برطرف کر دیا گیا اور شہنشاہ کی ناراضگی مول لینی پڑی، مغلیہ دربار کے دیوان (وزیر اعظم) کو تیس ہزار بطور نذرانہ پیش کرنے پر بھی معافی نہیں ملی اور ان کی جگہ شہزادہ معظم کو مہم کی کمان دی گئی۔

صوبے داروں کے علاوہ دوسرے اعلیٰ درجہ کے عہدے داران سرکار پر بھی نظم ونسق کی بہتری اور رعایا پروری وعدل گستری کے معاملات میں سخت نگاہ رکھی جاتی تھی۔ غفلت ولاپرواہی، بدانتظامی، عدم دیانت داری کی شکایات کی تحقیق کے بعد تنزلی درجات، رتبہ وجرمانہ کی سزائیں دی جاتی تھیں۔

عبدالرحمٰن بخشی وقائع نگار دکن کے منصب خانی میں تخفیف کی گئی کیونکہ انہوں نے بیجاپور سے جمع شدہ خراج کی رقومات میں کمی درج حسابات کر لی تھی۔

بداخلاقی وشراب نوشی لازم وملزوم ہیں اور کسی عہدے دار کے معاملے میں یہ ناقابل معافی جرائم ہیں۔ عہد عالم گیری میں ایسے عہدے دار کو ملازمت سے برطرفی یا منصب میں کمی کی سزا دی جاتی تھی۔ چنانچہ خواجہ محمد داروغہ بیوتات (رجسٹرار پراپرٹی) کو سزا دی گئی۔

صوبہ دکن میں مال تجارت کی ایک علاقہ سے دوسرے علاقوں کو منتقلی پر راہ داری (Transit duties) کی برخواستگی سے جہاں تجارت کو فروغ ہوا وہیں قلت زدہ علاقوں تک مال واسباب، غذا، کپڑا اور دیگر مصنوعات کی نکاسی میں مدد ملی۔ ۱۶۶۱ء میں اورنگ زیب کے یہ احکام بروقت تھے کیونکہ اواخر سترہویں صدی میں جنوبی ہند کے زرعی حالات قحط سالی اور مرہٹوں کی یورشوں کی وجہ سے خراب تر ہو گئے تھے۔

ولندیزی جہاز رانوں نے مالک بیگ کا جہاز چیکا کول (سریکا کولم) کی بندرگاہ سے اغوا کرلیا تھا۔ یہ بندرگاہ قطب الملک (عبداللہ قطب شاہ والی گولکنڈہ) کے علاقہ میں تھی اور اگست ۱۶۶۱ء تک یہ مغلیہ سلطنت میں شامل نہیں تھی۔

مچھلی پٹنم کے حوالدار کے کہنے کے مطابق یہ بندرگاہ ایک دوسرے فرد حیدر فوج دار کے علاقہ میں تھی اور ولندیزیوں پر اس کا کوئی کنٹرول نہیں تھا اس لیے وہ من مانی کررہے تھے۔

وقائع نگار کے مطابق اگر مغل بادشاہ بنگال اور سورت (گجرات) کے عہدے داروں کو ہدایت دے تو مغویہ جہاز اور اس کا تجارتی سامان ولندیزیوں سے واپس لیا جاسکتا تھا۔

(سمندری سرحدوں کا تعین اور ان کا پاس ولحاظ غالباً اس دور میں نہیں ہوا تھا اور قطب شاہی یا مغلیہ بادشاہوں کے پاس مضبوط بحری بیڑہ بھی نہیں تھا جس سے سمندری سرحدوں کی حفاظت ہوسکتی تھی۔ حالانکہ سمندری فوجدار کا عہدہ مغلیہ دور میں موجود تھا)

قطب شاہی حکمران ہندوانہ رسم و رواج کے مطابق اپنی بیگمات کے ساتھ گولکنڈہ کے نزدیک دو دریاؤں کے سنگم دریائے عیسیٰ و موسیٰ کے سنگم واقع بدویل پر سالانہ ڈبکی لگانے جایا کرتے تھے؟ جنوری ۱۶۶۲ء کو وقائع نگار حیدرآباد نے لکھا ہے کہ قطب الملک (عبداللہ قطب شاہ) اپنی بیگم کے ہمراہ سالانہ اشنان کے لیے گئے تھے۔

عہد عالم گیری کی اصلاحات میں سے ایک اہم اصلاح یہ تھی کہ قبل ازیں جو منصب دار فوت ہوجاتا تھا تو اس کا مال و جائداد ضبط کرلیا جاتا تھا تاوقتیکہ ورثا کے نام بحال ہو۔ اس سے دو نقصانات تھے: اولاً یہ کہ ورثا فقر و فاقہ میں مبتلا ہوجاتے تھے اور ثانیاً یہ کہ منصب دار عیش وعشرت میں پڑکر اپنا سارا مال و جائداد ٹھکانے لگادیا کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے اس سلسلہ میں یہ اصلاح کی کہ حکومتی واجبات کی ادائیگی کے بعد مابقی مال واثاثہ ورثا کے حوالے کیا جانے لگا۔ یہ عدل اجتماعی (Social justice) کی بہترین مثال ہے۔ فروری ۱۶۶۲ء میں علی بیگ منصب دار جسے تل کوکن کی مہم جوئی پر بھیجا گیا تھا لیکن بہ مقام جونار اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کی جائداد و مال میں سے سرکاری واجبات نکال کر ماقبی اس کے ورثا کو دے دیا گیا۔

عہد عالم گیری میں مرہٹوں کے علاوہ بھیل اور گونڈ قبائل بھی آمادہ سرکشی ہوگئے تھے۔

ایلیچ پور صوبہ برار میں طالب خان کی جا گیر میں بھیل اور گونڈوں کی غارت گری کو رفع کرنے عرج خان کی سر کردگی میں فوجی جتھہ کو مئی ۱۶۶۱ء میں بھیجا گیا تھا۔ یہ قبائل منتشر ہو گئے مگر ان کے از سر نو جمع ہونے کے اندیشے سے کھیرلہ نامی مقام پر ایک تھانے دار کا تقرر کیا گیا۔

قطب شاہی سپہ سالار عبدالرزاق خاں لاری کو اپریل ۱۶۷۹ء میں تل کوکن سرکار صوبہ اورنگ آباد کا فوج دار مقرر کیا گیا تھا اور شہنشاہ نے جواہرات سے مرصع خنجر انہیں عطا کیا تھا۔ (باوجودیکہ لاری نے عالم گیر کی فتح گولکنڈہ میں جم کر مغلیہ فوج کا مقابلہ کیا تھا اور زخموں سے چور گرفتار ہوا تھا۔ عالم گیر نے اس کی بہادری اور وفاداری کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور شاہی طبیبوں سے اس کا علاج کروایا اور صحت یابی کے بعد مذکورہ عہدہ پر تقرر کیا)۔

انصاف پروری اور ظلم وزیادتی کی روک تھام میں رشتے ناطے کا لحاظ عہد عالم گیری میں بھی موجود تھا لیکن چونکہ بادشاہ وقت ہر حال میں عدل وقسط کا حامی تھا اس لیے مذہب وذات کا لحاظ کیے بغیر فوری اقدام کیا جاتا تھا۔ جنوری ۱۶۷۱ء سکّو کے نارو جی ویٹھل کی شکایت پر کہ تاج کلا چار تھانہ ضلع باسم صوبہ برار کے فتح جنگ فوج دار کے فرزند نصرت رعایا پر ظلم وزیادتی کر رہے ہیں اورنگ زیب نے فوری طور پر شفیع خان وزیر کو لکھا کہ معاملہ کی غیر جانب دار تفتیش کی جائے اور فتح جنگ کی جگہ کسی دوسرے فوج دار کو مقرر کیا جائے۔

ایک عورت کی شکایت پر اس کے نواسے کا مقدمہ سکندر شقدار اور الوال کوتوال پرگنہ وانگڈی کے خلاف قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ معاملے کی تحقیق پر پتہ چلا کہ دونوں مفرور ہیں اور اس پر یہ معاملہ صوبے دار کے روبرو پیش ہوا اور وہاں سے یہ احکام صادر ہوئے کہ دونوں مفرور عہدے داروں کو حاضر کیا جائے اور عدم تعمیل حکم کی صورت میں تفتیش کنندہ کو قصوروار ٹھہرایا جائے گا۔

عہدے دار سرکاری کو اس کی بداطواری وشراب نوشی کی اطلاعات پر ملازمت سے برطرفی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ان امور کے سلسلہ میں بڑی سے بڑی سفارش کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ خاندیش کے ناظم ضیاء الدین ولد سراج الدین اور کوتوال محمد حسین ولد محمد شریف کو اسی جرم کی پاداش میں برطرف کر دیا گیا اور ان کے سلسلہ میں بخشی ملکی جیسے اعلیٰ عہدے دار کی سفارش کا شہنشاہ نے لحاظ نہیں کیا۔

مغلیہ دور حکومت میں مال گذاری کا نظم: ذرائع مال گذاری میں (ا): محصول اراضی (ب): دیگر محصولات مثلاً تجارت، مصنوعات اور راہ داری (ج): باج گذار حاکموں اور زمین داروں سے پیش کش کی وصولی اور مغلیہ صوبہ دکن کا نظام مال گذاری شمالی ہند سے مختلف تھا اور اس نظام کو وضع کرنے اور رواج دینے میں مرشد قلی خان کا نام لیا جاتا ہے۔ اس نظام کے خوشگوار اثرات زراعت اور عوام کی معاشی زندگی پر نمایاں طور پر محسوس کیے گئے۔ لیکن صوبہ دکن میں مرہٹوں کی سرکشی وغیرہ سے امن وامان کے حالات بگڑ گئے ایک طرف مرہٹے چوتھ وصول کرتے اور دوسری طرف سرکاری کارندوں کی محصول اراضی وصول کرنے میں سختی کرنے کے باعث کسان بدحال ہو گئے اور کھیتی باڑی ترک کرنے لگے۔ نتیجتاً عوام بدحالی کے دور میں چلے گئے اس پر خشک سالی اور قحط نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

عہد مغلیہ میں فوجی تنظیم: عہد عالم گیری کے آخری پندرہ تا بیس سال دکن کی مسلم سلطنتوں کے خلاف فوج کشی اور مرہٹوں کی سرکشی روکنے میں گزرے اس میں اورنگ زیب نے مغلیہ حکومت کی ساری طاقت جھونک دی تھی۔ ظاہر بات ہے کہ حکمران اور حکومت کی توجہات فوجی مہمات میں بٹ گئیں اور عوامی فلاح و بہبود، زراعت اور معاشی امور پس پشت چلے گئے اور یہ اسباب مغلیہ سلطنت کے زوال کے اہم اسباب بنے۔

ڈاکٹر سید داؤد اشرف صاحب نے عہد مغلیہ میں صوبہ دکن کے سرکاری دستاویزات فارسی مخطوطات و کتب اور عہد حاضر کے محققین کی مدد سے مذکورہ کتاب میں جو مفید مواد پیش فرمایا ہے اور جسے معظم حسین فاؤنڈیشن نے شائع کیا ہے وہ عہد عالم گیری پر اب تک منظر عام پر آنے والی تحقیقی کتب میں سرفہرست ہے اور آج تک ایسا اہم تاریخی کارنامہ انجام نہیں پایا تھا۔ اس کے لیے ڈاکٹر صاحب موصوف قابل مبارک باد ہیں۔

اخبار علمیہ

''خواتین کے لیے دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی کا قیام''

ریاض، سعودی عرب میں خواتین کے لیے دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ''نورہ بنت عبدالرحمٰن یونیورسٹی'' کے نام سے قائم کی جائے گی۔اس کا رقبہ ۸۰ لاکھ مربع میٹر (۸/مربع کلومیٹر) ہوگا۔اس کیمپس کا نقشہ دارالہنداسہ کے اشتراک سے پرکنس پلس ول نے تیار کیا ہے، اس کے تمام شعبوں کو جدید تعلیمی سہولتوں سے مزین وآراستہ کیا جائے گا۔اس میں علاقائی خصوصیات اور تہذیبی روایات کا لحاظ رکھا جائے گا، خاص طور پر پردے کا۔اس حصہ کو خاص طور پر محفوظ بنایا جائے گا جہاں طالبات خالی وقت میں سیر وتفریح کے لیے نکلیں گی۔مخلوط تعلیم صرف طبی تحقیقی وتجرباتی مراکز تک محدود رہے گی۔ یونیورسٹی میں ۶۰ ہزار انڈر گریجویٹ طالبات کی گنجائش رکھی گئی ہے۔(منصف حیدرآباد ۲۳/اکتوبر ۱۳ء)

''سامریوں کی عید عرش''

فلسطین کے شہر ''نابلس'' کے قریب ایک پہاڑی جرزیم کے دامن اور اسرائیل کے شہر ''حولون'' میں آباد ایک قبیلہ کا دعویٰ ہے کہ اس کا تعلق خالص بنی اسرائیل سے ہے اور اس کے جدامجد وہی سامری ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کے متبعین کے سامنے سونے کا بچھڑا بنا کر پیش کیا تھا اور وہ صراط مستقیم سے ہٹ گئے تھے۔صرف ایک ہزار کی قلیل تعداد کے باوجود آج تک سامری کی ساحری کا شکار یہ قبیلہ قدیم رسم ورواج اور مخصوص تہذیب کو زندہ کیے ہوئے ہے۔مذہبی تہواروں کے لیے عیسائیوں اور یہودیوں کی تقویم سے الگ ان کا اپنا خاص کیلینڈر ہے، توریت کو وہ آسمانی صحیفہ سمجھتے ہیں، عبرانی کے علاوہ وہ عربی بھی روانی سے لکھتے اور بولتے ہیں۔انہوں نے وقت کے ساتھ عبرانی زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کو گوارا نہیں کیا اور آج بھی اپنی عام بول چال کی زبانوں میں قدیم عبرانی استعمال کرتے ہیں۔ وہ اسرائیل میں بسنے والے یہودیوں کو جعلی خیال کرتے ہیں اس لیے ان سے رشتہ میں گریز کرتے ہیں، قبلۂ اول پر یہودیوں کے قبضہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔ان کا دعویٰ ہے کہ توریت کا ۳۶ سو برس پرانا اصل نسخہ توریت جو ہرنی کی کھال پر لکھا ہوا ہے اور یہ نسل درنسل ان کے پاس منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ بیت المقدس کے مقابلہ میں ''جرزیم'' پہاڑی زیادہ اہم ہے۔قبیلہ سے باہر شادی نہ کرنے کے

سبب ان کی تعداد بہت کم ہے، یہ مذہبی تعلیم کے ساتھ دنیاوی علوم بھی حاصل کرتے ہیں اور فلسطین اور اسرائیل میں سرکاری ملازمتوں میں بھی ہیں۔ اس قبیلہ میں آج بھی شعبدہ بازی اور علم نجوم بہت مقبول ہے۔ یہ سال میں سات تہوار مناتے ہیں، ان کا سب سے اہم تہوار ''عید عرش'' ہے جس کو یہ لوگ میدان ''تیہ'' سے فلسطینی سرزمین میں آمد کی یاد میں مناتے ہیں، اس تہوار میں انار، امرود، سیب، بڑے سائز کے لیموں، نارنگی اور کھجور کی شاخوں اور پتوں سے مزین ایک تخت بنا کر گھر کی چھتوں سے لٹکاتے ہیں جسے وہ ''عید عرش'' کا نام دیتے ہیں۔ اس تخت کو خاص تقدس کا حامل سمجھا جاتا ہے، عید سے قبل وہ ۲۴/ گھنٹوں کا روزہ رکھتے ہیں، جو ان کے نزدیک گناہ کی معافی کے لیے ضروری ہے۔ پورا دن اسی تخت کے نیچے گزارتے ہیں اور شام ہوتے ہی جرزیم پہاڑی پر جاتے ہیں جسے ان کے مذہب میں حج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نئے کپڑے، روایتی مٹھائیاں، مخصوص عبادات اور اس خوشی میں پڑوسیوں کی شرکت اور اپنے بنائے تخت کی زیارت ونمائش، روایتی طور پر اس مشن کے لیے ضروری ہے۔ (تفصیلی رپورٹ فلسطینی رسالہ القدس کے حوالہ سے منصف حیدرآباد ۲۴/ اکتوبر ۱۳ء میں شائع ہوئی ہے)

''پارہ کے استعمال پر پابندی پر غور''

''پارہ'' کا استعمال بیٹری، پینٹ اور کریم وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔ اس کا صنعتی فضلہ دریا یا سمندر کی نذر ہو جاتا ہے، جہاں ''ماحولیاتی چکر'' کا حصہ بن کر یہ مچھلی کے جسم میں پہنچ جاتا ہے اور پھر غذائی راستے سے انسان کے جسم میں منتقل ہو جاتا ہے جو بعد میں مختلف عارضوں کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کے منفی اثرات کے پیش نظر جاپان کے شہر میناماتا میں اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام کے تحت پانچ روزہ کانفرنس میں طے کیا گیا ہے کہ آیندہ تین دہائیوں میں پارہ کا صنعتی استعمال بہ تدریج ختم کر دیا جائے۔ اس کانفرنس میں ۱۴۰ ممالک کے مندوبین نے شرکت کی جس میں یوروپی یونین سمیت ۹۰ ممالک نے معاہدہ پر دستخط کیے لیکن ابھی کم از کم ۵۰ ممالک کا اس معاہدہ پر اتفاق ہونا باقی ہے، رپورٹ کے مطابق یہ فیصلہ اس لیے لیا گیا ہے کہ جاپان کا یہ علاقہ پارہ کے مضر اثرات سے سب سے زیادہ متاثر ہے اور ایک جاپانی کی جان اسی سے گئی۔ (تفصیلی خبر AMN کے حوالہ سے اخبار مشرق کلکتہ ۲۱/ اکتوبر کے شمارے میں دیکھی جا سکتی ہے)

''آئس لینڈ کا ہر دسواں شخص مصنف''

آئس لینڈ پر پہلے ڈنمارک کا قبضہ تھا، ۱۹۴۴ء میں اس نے پروانۂ آزادی حاصل کی، اس کی کل آبادی ۳/لاکھ ہے لیکن یہاں کتابیں لکھنے اور چھاپنے کی شرح دنیا کے کسی بھی خطے سے زیادہ بتائی جاتی ہے، خبر کے مطابق اس کی راجدھانی ''ریکیافیک'' میں ایک محاورہ ''ہر شخص کتاب پیدا کرتا ہے اور یقیناً ہر شخص کے پیٹ میں ایک کتاب ہے'' بہت مشہور ہے۔ وہاں کا ہر دسواں شخص صاحب کتاب ہے، نئے ادبی سنٹر کی سربراہ ماگنیس ویتر نامی مصنفہ کہتی ہے کہ یہاں کے مصنّفین ہر قسم کے موضوعات پر داد تحقیق و تصنیف دیتے ہیں مگر سب سے زیادہ ان کی توجہ جرائم کے موضوعات کی جانب ہے، اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں اور ناولوں کی فروخت دوسرے موضوعات پر مشتمل کتابوں کے بالمقابل دوگنی ہے۔ تصنیف و تالیف کی اس قدر کثرت اور رواج کا اصل سبب یہاں کے قدرتی مناظر کو قرار دیا جاتا ہے۔ اکثر مصنّفین کا کہنا ہے کہ اندھیرے اور سخت سردی کے دوران تحقیق و تصنیف، شعر و شاعری یا داستان نویسی کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور شغل نہیں ہوتا۔ (مصنف حیدرآباد ۲۷/اکتوبر ۱۳ء)

''سمندر کے پانی سے معدہ کی بیماری کا علاج''

جاپان کی طبی یونیورسٹی کے محققین نے نئی تحقیق میں کہا ہے کہ سمندر کی گہرائی میں پائے جانے والے پانی ہاضمہ کی مشکلات اور معدہ کے کینسر کے خطرات کم کر سکتے ہیں، محققین نے تحقیق کے دوران معدہ کے کینسر میں مبتلا ۱۲۳۰ اشخاص کو ۲۰۰ میٹر کی گہرائی سے سمندر کا پانی استعمال کرایا جس سے ان کے معدہ کی تکلیفیں کم ہوگئیں۔ سمندر کا پانی پینے والے ۶۰ فیصد اور عام صاف پانی استعمال کرنے والے ۲۵ فیصد افراد معدہ کے کینسر سے محفوظ تھے لیکن محققین ابھی اس کا کوئی بہت واضح سبب بتانے سے قاصر ہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ پانی میں شامل کیلشیم، پوٹیشیم اور میگنیشیم وہ دھاتیں ہیں جو مضر بیکٹیریوں کی خارجی جلدوں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں، یہ پانی ان پانیوں کی اوپری سطح کو ڈھکے رہتے ہیں اسی لیے ان کا استعمال کرنے والے معدہ کے مہلک امراض سے بچے رہتے ہیں۔ (العربیہ ڈاٹ نٹ، ۱۳/ذوقعدہ ۱۴۳۴ھ/۱۸/ستمبر ۱۳ء بدھ)

ک، ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

دارالمصنّفین

دینی تعلیمی کونسل اترپردیش لکھنؤ،
فرسٹ فلور، عارف آشیانہ،
چوک لکھنؤ -۳
۲۰۱۳/۹/۲۱ء

برادر محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دارالمصنّفین سے ہمیشہ گہرا تعلق رہا ہے، بہت سی یادیں ذہن میں محفوظ ہیں۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب، سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی صاحب میرے انتہائی کرم فرما رہے ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک سمینار میں شرکت اور مولانا کی انبساطی کیفیت اور یادگار گفتگو کا نقش تازہ ہے۔ جوبلی کے موقع پر ڈاکٹر ذاکر حسین اور میرے عم محترم قاضی محمد عدیل عباسی کی ملاقات اور دونوں بزرگوں کی زبانوں سے ماضی کے خوشگوار لمحات کا ذکر خیر اب تک پوری طرح یاد ہے۔ مولانا شبلی نے اپنے علمی تصورات سے دارالمصنّفین کی داغ بیل کیا ڈالی بے سروساماں مسلمانوں کو سرخ رو کر گئے۔ دارالمصنّفین ایک ایسا ساغر جمشید ہے جس میں مسلمانوں کی علمی عظمت اور ماضی کی اس بساط کو دیکھا جاسکتا ہے جو مسلمانوں نے بچھا رکھی تھی لیکن افسوس کہ دارالمصنّفین کو اس طرح نہیں سمجھا گیا کم از کم دور جدید کی علمی فضا اس تاثر کو نمایاں کرنے میں قاصر ہے۔ دیوبند، ندوہ، مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کا حصار دارالمصنّفین کے بغیر نامکمل ہے۔ اس شجرۂ علمی پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ باقی اداروں نے عصری اور دینی علوم کو تعلیمی سطح پر فروغ دیا دارالمصنّفین نے علمی، تاریخی اور ادبی سطح کو بلند کیا اور مسلمانوں کو اپنے ماضی سے واقف کرانے کا ایسا فریضہ انجام دیا کہ اب مسلمان بھی اپنی علمی خدمات کی بنا پر سر اٹھا کر چلنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ دارالمصنّفین کا فیض ہے۔ سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

آپ کا بھائی
مسعود الحسن عثمانی

آثار علمیہ و تاریخیہ

مدینہ یونیورسٹی سے متعلق علامہ شبلی کی ایک نادر تحریر

اشتیاق احمد ظلی

یہ عجیب حسن اتفاق تھا کہ اپریل ۱۹۱۳ میں جب علامہ شبلی مکہ معظّمہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کی تاسیس کی تجویز پیش کر رہے تھے اسی وقت قسطنطنیہ میں مدینہ منورہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے سلسلہ میں ابتدائی فیصلے کیے جا چکے تھے جس میں خود علامہ شبلی کو ایک اہم کردار ادا کرنا تھا۔ علامہ شبلی نے اسے قسطنطنیہ اور لکھنؤ کے درمیان 'توارد' سے تعبیر کیا ہے۔ جون ۱۹۱۳ میں جب وہ مدینہ یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کی صورت گری میں مصروف رہے ہوں گے، اپنے عزیز شاگرد مولانا عبدالباری ندوی کو لکھتے ہیں ''مدینہ یونیورسٹی کی تجویز میں قسطنطنیہ کو لکھنؤ سے توارد ہوا۔ خیر، لیکن بہت ضروری چیز ہے۔ افسوس کہ اب ہمت نہیں کہ اس کے متعلق کچھ کرسکوں۔ پہلی سی بات ہوتی تو مدینہ جانا کیا مشکل تھا''۔ (۱) مکہ معظّمہ میں ایک یونیورسٹی کی تاسیس سے متعلق ان کی تجویز کے سلسلہ میں عدم واقفیت کی وجہ سے اس 'توارد' کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا جاسکا تھا۔ اس سلسلہ میں اب تک جو معلومات حاصل تھیں وہ یکسر ناکافی اور تشنہ تھیں۔ روزنامہ 'زمیندار' لاہور کی ۲۲ رمئی ۱۹۱۳ کی اشاعت میں مدینہ یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کے متعلق بزرگانِ قوم کے نام علامہ شبلی کا ایک مراسلہ چھپا تھا۔ مولانا عمر اسلم اصلاحی صاحب، استاذ مدرسۃ الاصلاح کی عنایت سے اس کا عکس ہم کو دستیاب ہوا جس سے کسی حد تک صورت حال کی وضاحت ہوتی ہے۔ ہم اس علمی تعاون کے لیے ان کے شکر گزار ہیں۔ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی صاحب، ریاض، نے اس سلسلہ میں بڑی گراں قدر معلومات فراہم کیں۔ اس کے لیے ہم ان کے مشکور ہیں۔ ہم پروفیسر ایم۔ سیت اوزرورلی (M Sait Ozervarli) استانبول اور افضال عثمانی صاحب، کیلفورنیا، کے بھی ممنون ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں اہم معلومات فراہم کیں۔ اس سے پہلے الہلال میں نواب وقار نواز

جنگ کا مدینہ منورہ سے لکھا ہوا ایک خط نظر سے گزرا تھا۔ اس میں یکم محرم الحرام ۱۳۳۲/۲۹/ نومبر ۱۹۱۳ کو مدینہ منورہ میں سلطان محمد رشاد خاں خامس (۱۸۴۴-1918) کے حکم سے مدینہ یونیورسٹی کے سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب کی تفصیلات فراہم کی گئی تھیں۔(۲) علامہ شبلی کی اس نادر تحریر کے ساتھ مدینہ یونیورسٹی کے بارے میں دستیاب معلومات قارئین کی نذر کی جاتی ہیں۔

علامہ شبلی کی تعلیمی خدمات کے سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندوی نے 'حیات شبلی' میں مختصراً مدینہ یونیورسٹی کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ طرابلس پر اٹلی کے حملہ کے بعد ڈاکٹر مختار احمد انصاری، ظفر علی خاں اور دوسرے ہندوستانی اہل فکر نے ترکی کا سفر کیا اور وہاں اکابر سے ملے۔ ''اسی سلسلہ میں قرار پایا کہ مدینہ پاک میں ایک مدینہ یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جائے جس میں سارے اسلامی ملکوں کے طالب علم یکجا ہوں اور اسلامی دنیا کے بڑے ماہرین علوم اس میں درس وتدریس کے لیے اپنے اوقاتِ عزیز کو وقف کریں۔ ہندوستان کی طرف سے اس میں مولانا شبلی اور ان کے عزیز شاگرد مولانا حمیدالدین صاحب کے نام لیے گئے۔ اس سلسلہ میں اس زمانہ کے زمیندار اور الہلال میں بہت سی تجویزیں زیر بحث آئی تھیں ......لیکن افسوس کہ بلقان کے معرکہ میں ٹرکی کی ناکامی سے ان تجویزوں پر اوس پڑ گئی''۔(۳)

اس سے واضح طور پر یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ:

۱- مدینہ منورہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کی تاسیس کا فیصلہ ہندوستان کے اہل فکر کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ان میں نمایاں نام ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا ظفر علی خاں کے ہیں۔

۲- اس میں تدریس کے لیے ہندوستان سے علامہ شبلی اور مولانا حمیدالدین فراہی کے نام لیے گئے۔ البتہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ نام کن لوگوں نے لیے۔

۳- بلقان کی جنگ میں ترکی کی ناکامی کی وجہ سے یہ تجویز روبعمل نہیں لائی جاسکی۔

روزنامہ 'زمیندار' میں علامہ شبلی کے خط سے پہلے مولانا ظفر علی خاں نے ایک نوٹ لکھا ہے۔ اس سے اس مسئلہ کے کئی اہم پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''ہم نے ۱۶ مئی کے زمیندار میں بحوالہ ہمدرد یہ خبر ہدیہ ناظرین کی تھی کہ مولوی ظفر علی

خاں، ڈاکٹر انصاری اور شیخ شاویس (۴) نے مدینہ یونیورسٹی کا نصاب تعلیم مرتب کرنے کے لیے علامہ شبلی نعمانی، ڈاکٹر اقبال اور مولوی حمید الدین صاحب کی خدمت میں استدعا کی ہے۔ امید ہے کہ ہر سہ بزرگ اس نہایت ضروری اسلامی مسئلہ پر اپنی فوری توجہ مبذول فرمائیں گے۔ اس کے متعلق آج علامہ شبلی نعمانی کی ایک مختصر تحریر بغرض اشاعت موصول ہوئی ہے۔ امید ہے کہ ڈاکٹر اقبال اور مولوی حمید الدین صاحب اپنے خیالات سے قوم کو جلد مطلع فرمائیں گے۔ علامہ شبلی کا خط بجنسہ درج ذیل کیا جاتا ہے:'' (۵)

افسوس کہ نہ تو ۱۶/ مئی کا زمیندار دستیاب ہے اور نہ اس کے آس پاس کا ہمدرد جن سے اس سلسلہ میں مزید معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ البتہ اس نوٹ سے یہ واضح ہے کہ مدینہ یونیورسٹی کے لیے نصاب تعلیم تیار کرنے کے لیے ماہرین کا نام تجویز کرنے کے مقصد سے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جو شیخ عبدالعزیز شاویس مولانا ظفر علی خاں اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری پر مشتمل تھی۔ ظاہر ہے یہ کمیٹی حکومت ترکی نے بنائی ہوگی جس نے اس یونیورسٹی کو بنانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اگرچہ اس وقت یوروپ کے اس مرد بیمار کا دم واپسیں تھا اور اس کی گذشتہ شوکت اور عظمت کا آفتاب لب بام آچکا تھا تاہم اب بھی عثمانی حکومت کا وقار یکسر ختم نہیں ہوگیا تھا اور اس کی حکومت یوروپ اور ایشیا کے ایک وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کی قلم رو میں علماء اور فضلاء کی کمی نہیں تھی۔ مصر اور اس کے زیر نگین دوسرے ممالک میں بڑے بڑے اہل دانش وبینش موجود تھے۔ اس کے پیش نظر یہ امر شدید حیرت کا باعث ہے کہ اس کمیٹی میں حکومت ترکی کا صرف ایک نمایندہ شامل تھا۔ باقی دو ارکان کا تعلق ہندوستان سے تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس سے پہلے شیخ عبدالعزیز شاویش اس مجوزہ یونیورسٹی کے سربراہ مقرر کیے جاچکے تھے۔ 'کامریڈ' کے ۱۰/ مئی ۱۹۱۳ کے شمارہ میں استانبول سے لکھے گئے ڈاکٹر انصاری کے ایک خط کے حوالہ سے ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ اس کے مطابق شیخ شاویش کو مدینہ یونیورسٹی کا پرنسپل مقرر کیا جاچکا تھا اور اس سلسلہ میں خط ہمایوں جاری کردیا گیا تھا (۶)۔ چنانچہ اس کمیٹی میں شیخ شاویش کی شمولیت غالباً بحیثیت عہدہ رہی ہوگی۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس کمیٹی نے مجوزہ یونیورسٹی کا نصاب تعلیم مرتب کرنے کی غرض سے جس کمیٹی کی سفارش کی وہ تمام تر ہندوستانی ماہرین تعلیم پر مشتمل تھی اور اس

میں ایک نام بھی ہندوستان سے باہر کا نہیں تھا۔ یہ بلاشبہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بڑے فخر کی بات تھی۔

اس نوٹ سے اور بزرگان قوم کے نام علامہ شبلی کے مکتوب سے یہ بات پوری وضاحت سے سامنے آجاتی ہے کہ علامہ شبلی اور مولانا حمیدالدین فراہی کے اسمائے گرامی مدینہ یونیورسٹی میں تدریس کے بجائے وہاں کا نصاب تعلیم مرتب کرنے کے لیے تجویز کیے گئے تھے۔ان دو بزرگوں کے علاوہ اس اہم کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے تیسرا نام نامی علامہ اقبال کا تھا جس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔اسی طرح التاریخ الشامل للمدینة المنورۃ کے مصنف ڈاکٹر عبدالباسط بدر کی تحقیق کے مطابق اس یونیورسٹی کا قیام شیخ شاویش، امیر شکیب ارسلان اور شیخ عبدالقادر جزائری کی مساعی کا نتیجہ تھا۔(۷)

علامہ شبلی کے اس مختصر مکتوب سے یہ بھی واضح ہے کہ شاویش کمیٹی نے اپنے تجویز کردہ ناموں کی سفارش حکومت ترکی کو کی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ کمیٹی کے ارکان کو براہ راست قسطنطنیہ سے بذریعہ تار اس فیصلہ سے آگاہ کیا گیا اور ان سے نصاب تعلیم تیار کرنے کی درخواست کی گئی۔

نصاب تعلیم تیار کرنے کے لیے جن شخصیات کا انتخاب کیا گیا اس سے واضح طور پر یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ یہ یونیورسٹی غالباً اسی نوعیت کی اسلامی یونیورسٹی تھی جس کی تجویز علامہ شبلی نے پیش کی تھی۔لیکن اس یونیورسٹی کے نامزد سربراہ شیخ عبدالعزیز شاویش نے یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے موقع پر اپنی تقریر میں اس یونیورسٹی کے جو خط وخال بیان کیے وہ اس سے یکسر مختلف ہیں۔انہوں نے جامعہ کی بنیادی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس یونیورسٹی میں میڈیسن، انجینیرنگ اور ایگریکلچر کے شعبے قائم کیے جائیں گے۔ایک اسپتال بھی قائم کیا جائے گا جو میڈیکل کالج کی ناگزیر ضرورت ہے۔اس کے علاوہ کیمیکل لیبوریٹری بھی قائم کی جائے گی جس کے بغیر معدنیات، طب اور علم زراعت کی تعلیم ممکن نہیں (۸)۔اگر مدینہ میں اس قسم کی یونیورسٹی قائم ہونی تھی تو نہ صرف یہ کہ نصاب تعلیم مرتب کرنے کے لیے ان محترم شخصیات کا انتخاب بے معنی تھا بلکہ اس کی سربراہی کے لیے شیخ شاویش کا تقرر بھی یکسر ناموزوں تھا۔اور اگر منصوبہ ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کا تھا جیسا کہ نصاب کمیٹی کے اراکین کے انتخاب سے ظاہر ہوتا ہے تو شیخ شاویش کے بیان کی تاویل ممکن نہیں۔التاریخ الشامل

للمدينة المنورة کے مطابق اس یونیورسٹی کی تاسیس کا مقصد یہ تھا کہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں سے آنے والے طلبہ کو اسلامی تہذیب و ثقافت کی تعلیم دی جائے اور یہاں سے دین کے داعی اور دینی معاشرہ کے معمار تیار کیے جائیں (۹)۔ نصاب تعلیم تیار کرنے کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اس کو پیش نظر رکھا جائے تو یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

یکم محرم الحرام ۱۳۳۲ھ/۲۹ نومبر ۱۹۱۳ء کو ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل شارع العنبر یہ میں مدینہ یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب میں شرکت کے لیے یونیورسٹی کے نامزد سربراہ شیخ عبدالعزیز شاویش کی قیادت میں استانبول سے ایک خصوصی وفد آیا جس میں امیر شکیب ارسلان اور شیخ عبدالقادر جزائری شامل تھے۔ ان کے ساتھ ترک انجینئر اور ماہرین تعمیر تھے۔ وہ اپنے ساتھ مجوّزہ یونیورسٹی کے نقشے اور اس سے متعلق دوسری تفصیلات لائے تھے۔ خط ہمایوں کی نقل، نقشہ کی نقل اور کچھ عثمانی سکے بنیاد میں رکھے گئے۔ تعمیر کے لیے سنگ سیاہ استعمال کیا گیا جو اس وقت پائداری کے لحاظ سے سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ اس تقریب میں استانبول سے آنے والے وفد کے علاوہ مدینہ منورہ کے گورنر، شیخ الحرم اور دوسرے عمائدین نے شرکت کی۔ اس تقریب میں مدینہ منورہ کے باشندے بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ بڑے تزک و احتشام سے اس تقریب کا اہتمام کیا گیا (۱۰)۔ بعض ہندوستانی عمائدین نے بھی اس میں شرکت کی۔ ان میں نواب وقار نواز جنگ اور مولوی محبوب عالم، مالک اور ایڈیٹر پیسہ اخبار خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر نواب صاحب نے بلا معاوضہ اپنی خدمات یونیورسٹی کو پیش کیں۔ اس تقریب کی تفصیل پر مشتمل ان کا خط الہلال میں شائع ہوا تھا جو ضمیمہ کے طور پر اس مضمون کے آخر میں شامل اشاعت ہے۔

عام طور پر اس یونیورسٹی کو مدینہ یونیورسٹی یا جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن بعض مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل نام ''جامعۃ صلاح الدین الایوبی'' تجویز کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں دلچسپ بات یہ ہے کہ بیت المقدس میں بھی اسی نام کا ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا گیا جس کی حیثیت مدینہ یونیورسٹی کے عارضی کیمپس کی تھی۔ منصوبہ یہ تھا کہ مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ کو عارضی طور پر وہاں رکھا جائے گا اور جب جامعہ کی تعمیر مکمل ہو جائے گی تو ان کو وہاں منتقل کر دیا جائے گا (۱۱)۔ کچھ طلبہ نے داخلہ بھی لے لیا تھا۔ البتہ بعض دوسرے شواہد سے

پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی پرانا ادارہ تھا جس کی تعمیر نو کے لیے شیخ عبدالعزیز شاویش کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا (۱۲)۔ اہم بات یہ ہے کہ دونوں اداروں کا نام ایک تھا اور دونوں کی سربراہی کے لیے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اس سے ان دونوں اداروں کے درمیان ایک گونہ تعلق کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات تعجب خیز ہے کہ مدینہ یونیورسٹی کے لیے ایک عارضی کیمپس قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اسے وہ وہاں سے سیکڑوں میل دور بیت المقدس میں قائم کیا گیا۔

مدینہ یونیورسٹی کی تجویز منظر عام پر آئی تو ترکی، مصر اور ہندوستان میں اس پر کافی بحث و تمحیص ہوئی (۱۳)۔ ہندوستان میں تو اس کا عام طور پر استقبال کیا گیا۔ مصر اور ترکی کی صورت حال کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ شیخ رشید رضا اس کے سخت مخالف تھے اور انہوں نے اس کا بھرپور اظہار 'المنار' میں کیا۔ ایک مرحلہ پر تو انہوں نے اسے 'مسجد ضرار' سے بھی تشبیہ دی۔ وہ اسے ایک ناممکن العمل منصوبہ تصور کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ مسلمانوں سے عطیات وصول کرنے کا ایک بہانہ تھا۔ انہوں نے نے شیخ شاویش، امیر شکیب ارسلان اور شیخ عبدالقادر مغربی کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا (۱۴)۔ بعد میں امیر شکیب ارسلان سے ان کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے اور انہوں نے ان کی بعض کتابوں پر مقدمہ بھی لکھا۔ امیر شکیب ارسلان نے شیخ رشید رضا کے بارے میں اپنی تصنیف کا نام 'السید رشید رضا: اخاء اربعین سنة' رکھا۔ اس سے بعد کے دنوں میں ان کے باہمی تعلقات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (۱۵)

شیخ رشید رضا کے اس ردعمل کو سمجھنے کے لیے اس وقت ترکی میں پائی جانے والی سیاسی صورت حال کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس سے کچھ ہی پہلے 'انجمن اتحاد و ترقی' (COMMITTEE FOR UNITY AND PROGRESS) کو ترکی کی سیاست میں مکمل بالادستی حاصل ہو چکی تھی۔ اس کا ایک نتیجہ سلطان عبدالحمید کی معزولی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ان کی جگہ ان کے بھائی محمد رشاد کو سلطان محمد رشاد خامس کے لقب کے ساتھ نیا سلطان مقرر کیا گیا۔ تخت نشینی سے پہلے سلطان محمد رشاد خامس (حکومت ۱۹۰۹-۱۹۱۸) نے تیس سال تک قید میں زندگی گذاری تھی۔ چنانچہ ان کو حکمرانی کا کوئی خاص تجربہ نہیں تھا۔ سارے اختیارات انجمن اتحاد و ترقی کے ہاتھ میں مرتکز تھے۔ سلطان کی حیثیت نام کے سلطان سے زیادہ نہ تھی۔ انجمن کی پالیسیوں اور ان کے مخصوص

نظریات کی وجہ سے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، بہت سے حلقوں میں ان کے خلاف شدید مخالفانہ جذبات پائے جاتے تھے۔ من جملہ دوسری باتوں کے وہ خلافت کے طول وعرض میں بسنے والی مختلف قومیتوں کو ترک قوم پرستی کی بنیاد پر متحد کر کے ایک عثمانی قوم کی تشکیل کے لیے کوشاں تھے جسے عثمانیت (Ottomanism) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ عیسائیوں کے علاوہ غیر ترک مسلمانوں میں بھی اپنی قومیت کا شدید احساس پایا جاتا تھا۔ خود ترکوں میں بھی بہت سے لوگ انجمن کے مخصوص نظریات کی وجہ سے اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ خاص طور سے اسلام پسند حلقوں میں ان کے خلاف شدید جذبات پائے جاتے تھے۔ عرب اور عربیت کے سلسلہ میں ان کا نقطہ نظر مشکوک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عرب اور غیر ترک اہل علم جو اس حکومت کی پالیسیوں کی حمایت کرتے تھے انہیں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا (۱۶)۔ 'المنار' میں شائع ہونے والے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ انجمن اتحاد وترقی کی پالیسیوں کے نتیجہ میں عربوں اور ترکوں کے درمیان عدم اعتماد کی خلیج بڑھتی جا رہی تھی۔ شیخ رشید رضا نے اسے 'ثغرۃ التنافر' بین الترک والعرب' کے نام سے یاد کیا ہے۔ کچھ ہی دنوں بعد اس باہمی منافرت اور بے اعتمادی کے جو نتائج سامنے آئے وہ اظہر من الشمس ہیں (۱۷)۔ اسلامی احیاء کے نقیب اور علمبردار کی حیثیت سے شیخ رشید رضا اور ان کے ہم خیال لوگوں کے لیے یہ صورت حال یقیناً سخت تشویش کی باعث رہی ہوگی۔ غالبًا اسی وجہ سے ان کی طرف سے اس اقدام کے استقبال کے بجائے اس کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ شیخ شاویش اور ان کے رفقائے کار انجمن کی پالیسیوں کے بڑے حامی تصور کیے جاتے تھے چنانچہ وہ شیخ رشید رضا کی تلخ اور تند تنقید کی زد میں آئے۔ (۱۸)

ہندوستان کی صورت حال اس سے بہت کچھ مختلف تھی۔ ایک تو یہاں ترکوں سے محبت کی سرشاری کا معاملہ کچھ ایسا تھا کہ اس کی سرخوشی میں بہت سی چھوٹی بڑی باتیں نظر میں نہیں آتی تھیں۔ اس کے علاوہ کئی ایسے مسائل جو مصری اور دوسرے علماء کے لیے باعث تشویش تھے ہندوستان کے مخصوص تناظر میں وہ چنداں اہمیت کے حامل نہیں تھے۔ ہندوستانی مسلمان بالعموم اور اہل فکر بالخصوص ان معاملات کو وسیع تر اسلامی تناظر میں دیکھتے تھے اور اسی لیے وہ اسے ایک اہم اسلامی خدمت تصور کرتے تھے۔ اگر یہ یونیورسٹی قائم ہوگئی ہوتی تو قطع نظر اس کے کہ اس کی نوعیت کیا

ہوتی اس کا فائدہ بہر حال دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو ہوتا۔

دو سال تک منصوبہ کے مطابق مدینہ یونیورسٹی کی تعمیر کا کام ہوتا رہا اور ۱۳۳۴/۱۹۱۵-۱۹۱۶ تک اس کی پہلی منزل کی تعمیر مکمل ہوگئی تھی (۱۹)۔ مختلف ممالک کے طلبہ نے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان میں مدینہ منورہ کے طلبہ بھی شامل تھے۔ اس وقت ان طلبہ کو جامعۃ صلاح الدین الایوبی، بیت المقدس، میں داخلہ دے دیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدینہ یونیورسٹی کی تعمیر مکمل ہوجانے کے بعد ان کو وہاں منتقل کر دیا جائے گا۔ اسی دوران جنگ عظیم اول چھڑ گئی۔ ناگزیر طور پر اس کا اثر جامعہ کی تعمیر پر پڑا اور تعمیر کو روک دینا پڑا (۲۰)۔ پھر حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ دوبارہ کام شروع نہ کیا جاسکا۔ جو عمارت تعمیر ہو چکی تھی اس کے ایک حصہ میں ایک اسٹور قائم کر دیا گیا۔ بقیہ حصہ میں وہ پریس لگا دیا گیا جو سنگ بنیاد کی تقریب کی مناسبت سے استانبول سے آیا تھا۔ بعد میں اس عمارت میں دوسری منزل کا اضافہ کر کے اس میں مدینہ منورہ کا پہلا ثانوی اسکول قائم کر دیا گیا جو ثانویہ طیبہ کے نام سے جانا جاتا ہے (۲۱)۔ اُس وقت تو مدینہ یونیورسٹی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا لیکن بعد میں سعودی حکومت نے وادی عقیق کے بالمقابل اسی نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی جس میں دنیا بھر سے طلبہ داخلہ لیتے ہیں جو مدینہ یونیورسٹی کے ابتدائی تصور میں شامل تھا۔ یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ نصاب تعلیم مرتب کرنے کے معاملہ میں کچھ پیش رفت ہوئی تھی یا نہیں۔ بزرگان قوم کے نام علامہ شبلی کے زیر نظر مکتوب سے اس سلسلہ میں ان کے خیالات سے تو کسی حد تک آگاہی ہوجاتی ہے لیکن باقی دو محترم اراکین کا ردعمل معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کے نزدیک اس معاملہ کی کتنی اہمیت تھی اور ایسے معاملات میں ان کا انداز فکر اور طریق کار کیا تھا۔

مدینہ یونیورسٹی کا نصاب تعلیم

بخدمت بزرگان قوم

آپ صاحبوں نے اخباروں میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ مدینہ منورہ میں ترکی گورنمنٹ جو جامعہ اسلامیہ (یونیورسٹی اسلامی) بنانا چاہتی ہے اس کے متعلق ہم تینوں شخصوں سے بذریعہ تار

کے قسطنطنیہ سے پروگرام نصاب تعلیم مانگا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک نہایت اہم کام ہے اور اس کے لیے ضرور تھا کہ ہندوستان کے نہایت قابل علماء اور تعلیم یافتگان جدید کسی موقع پر جمع ہوتے اور پہلے سے یادداشتیں تیار کر کے لاتے اور پھر باہمی مشورہ اور گفتگو سے ایک مکمل پروگرام تیار ہو کے وہاں بھیجا جاتا۔ لیکن چونکہ بظاہر اس وقت اس کی امید نہیں معلوم ہوتی کہ ایسا مجمع جمع ہو سکے۔ اس لیے میں حضرات علماء اور تعلیم یافتگانِ جدید سے درخواست کرتا ہوں کہ ایسے جامعہ کے متعلق جو اصولی باتیں ان کے خیال میں آئیں بذریعہ زمیندار یا دیگر اخبارات کے شائع فرمائیں۔ اور اگر کوئی صاحب چاہیں تو پرائیویٹ طور پر بذریعہ ذاتی خطوط کے مجھے مطلع فرمائیں۔ دیگر اخبارات سے امید ہے کہ وہ اس خط کو شائع فرمائیں۔

شبلی نعمانی

نیوناگپاڑہ، بھائی کلہ، اکبر بلڈنگ نمبر ۲ بمبئی

۱۸ مئی ۱۹۱۳

(روزنامہ زمیندار ۲۲ مئی ۱۹۱۳)

ضمیمہ

مکتوب مدینہ منورہ (مدینہ یونیورسٹی)

جناب مخدومی مکرمی مولانا مولوی ابوالکلام صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار الہلال کلکتہ۔

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج اس امر کا ظہور ہوا جس کے لیے مدت سے قلوب مشتاق اور الصبار (ابصار) برسر انتظار تھے۔ یعنی یونیورسٹی مدینہ منورہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ تقریب بڑے جلوس اور زیب وزینت اور آرائش کے ساتھ آج ادا کی گئی۔ جناب حسن بصری پاشا والی مدینہ اور جناب زیور پاشا شیخ الحرم، اور قاضی بلدہ اور مفتی احناف و شافعیہ اور تمام علماء اور امرائے مدینہ شریک جلسہ تھے۔ افواج ترکی مع بینڈ صف بستہ استادہ تھیں۔ تماشائیوں کی وہ کثرت تھی کہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب جارش (جاویش) نے منجانب اعلیٰ حضرت سلطان المعظم ایک خطبہ فصیح و بلیغ بہ زبان عربی سنایا، جس میں اس یونیورسٹی

کے مقاصد اور اغراض اور منافع اور فوائد بتفصیل بیان فرمائے، اوسکے سننے سے تمام حاضرین خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ آخر سنگ بنیاد بڑے اہتمام اور شادمانی سے نصب کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ مدرسہ کلیہ اعلیٰ حضرت سلطان محمد رشاد خاں خامس نے سنہ ۱۳۳۲ ہجری کے پہلے دن میں قائم کیا۔ تمام حاضرین نے حضرت سلطان المعظم کے طول عمر اور ازدیاد جاہ و اقبال کے لیے دعا کی۔ آمین کی آواز سے سارا میدان گونج گیا۔ منجملہ مسلمانان ہند جناب مولوی محبوب عالم صاحب مالک و اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور شریک جلسہ تھے۔ اختتام جلسہ پر خاکسار نے اپنی کل خدمات لایقہ بلا معاوضہ حسبۃً للہ اس یونیورسٹی کے نذر کیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمالے۔ (کثر اللہ امثالکم، الہلال)

اب آپ سے اور تمام اسلامی اخبارات ہند سے بادب یہ استدعا ہے کہ وہ اس یونیورسٹی کی تائید کے لیے مہماامکن ہر ایک مسلمان باشندہ ہند کو تحریص اور ترغیب دلائیں۔ اس طرح تمام برادران اسلامی ساکنین ہند سے توقع ہے کہ وہ اس اسلامی یونیورسٹی کی دامے، درمے، سخنے وقدمے ہر طرح کی امداد سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ حق تعالیٰ کی قدرت عجیب ہے کہ اسلام کے نشر کی ابتدا بھی اسی مدینہ مبارکہ سے ہوئی اور اس آخری زمانہ میں علوم و معارف کی اشاعت بھی یہیں سے شروع ہوئی فقط۔

آپ کا نیازمند
(نواب) وقار نواز جنگ
از مدینہ منورہ

حواشی

(۱) مکاتیب شبلی، مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۲، ص ۱۳۷؛ نیز دیکھیے مولانا سید سلیمان ندوی، حیات شبلی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۸، ص ۴۱۳۔ (۲) الہلال، ۲۴ دسمبر ۱۹۱۳، ص ۴۹۲۔ (۳) حیات شبلی، ص ۴۱۳۔ (۴) شیخ عبدالعزیز شاویش (۱۸۷۶-۱۹۲۹) تونسی اصل سے تعلق رکھتے تھے۔ اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ ازہر، دارالعلوم اور انگلینڈ میں تعلیم حاصل کی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان وادب کے استاد رہے۔ بعد میں مصر لوٹ آئے۔ 'اللواء' کی ادارت کی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد مجلّات کی ادارت کی۔ ترکی کے دو سرکاری جریدوں 'العرب' اور 'الحق یعلو' کی بھی ادارت کی۔ جنگ عظیم اول

میں عثمانی حکومت کے نمایندہ کی حیثیت سے برلن گئے ، بعد میں مصر لوٹ آئے ۔ قاہرہ میں انتقال کیا ۔ ادیب ، شاعر اور خطیب تھے اور انجمن اتحاد و ترقی سے بہت قریبی روابط کے لیے معروف تھے ۔ ایک دیوان اور کئی کتابیں یادگار چھوڑیں ۔ اس زمانہ کی مسلم قیادت سے بھی قریبی تعلقات تھے ۔ دیکھیے زرکلی ، الاعلام ، دارالعلم للملائین بیروت ، ۱۹۸۴ ، ج ۴ ، ص ۱۷ ؛ کامریڈ ۱۰ مئی ، ۱۹۱۳ ۔ (۵) روزنامہ زمیندار ، لاہور ، ۲۲ مئی ۱۹۱۳ ۔ (۶) کامریڈ ، ۱۰ مئی ۱۹۱۳ ۔ یہ اطلاع ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے خط کے حوالہ سے ہے ۔ ڈاکٹر انصاری کا یہ خط ۱۸ اپریل کا لکھا ہوا ہے ۔ اس وقت شیخ شاویش کو مجوزہ مدینہ یونیورسٹی کا سربراہ مقرر کیا جا چکا تھا ۔ علامہ شبلی کی مکہ معظمہ میں اسلامی یونیورسٹی کی تاسیس سے متعلق تجویز ۱۵ اپریل کے زمیندار میں چھپی تھی ۔ صاف ظاہر ہے کہ جس وقت علامہ شبلی کی یہ تجویز چھپی اس وقت تک مدینہ یونیورسٹی کی تاسیس کا فیصلہ کیا جا چکا تھا ۔ (۷) د ر عبدالباسط بدر ، **التاریخ الشامل للمدینة المنورہ** ، مدینہ منورہ ، ۱۴۱۴ / ۱۹۹۳ ، ج ۳ ، ص ۳۲ ۔ شیخ عبدالقادر مغربی اور امیر شکیب ارسلان کے مختصر حالات کے لیے دیکھیے **الاعلام** ، بیروت ، ۱۹۸۴ ، جلد ۳ ، ص ۱۷۳ - ۱۷۵ ؛ جلد ۴ ، ص ۴۷ ۔ (۸) الشعب ، ۸ مارچ ، ۱۹۱۵ ، ماخوذ از عبدالعزیز شاویش ، **الاتجاهات السیاسیة و الفکریه و الاجتماعیه فی الادب العربی المعاصر** ، تالیف سالم عبدالنبی قنیبر ، بیروت ، ۱۹۶۸ ، ص ۳۵۴ ۔ (۹) **التاریخ الشامل** ، ص ۳۲ ۔ (۱۰) السید عثمان حافظ ، **صور و ذکریات عن المدینة المنورة** ، نادی المدینة المنورة الادبی ، الطبعۃ الاولی ، ۱۴۰۳ / ۱۹۸۲ ، ص ۱۶۸ ؛ **الاتجاهات** ، ص ۳۵۴ ، الہلال ۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ ، ص ۴۹۲ ۔ سنگ بنیاد کی تاریخ میں مآخذ میں کسی قدر اختلاف ہے ۔ **صور و ذکریات عن المدینة المنورة** (ص ۱۶۹) میں ۱۳۳۲ کے آس پاس کا ذکر ہے ۔ **الاتجاهات** (ص ۳۵۴) میں فروری ۱۹۱۴ بتایا گیا ہے ۔ **التاریخ الشامل** (ص ۳۲) میں ۱۳۳۰ مذکور ہے ۔ نواب وقار نواز جنگ خود اس تقریب میں شامل تھے ۔ انہوں نے متعین طور پر لکھا ہے کہ سنگ بنیاد یکم محرم الحرام ۱۳۳۲ / ۲۹ نومبر ۱۹۱۳ کو رکھا گیا ۔ واقعات کا تسلسل بھی اسی کی تائید کرتا ہے ۔ (۱۱) **التاریخ الشامل** ، ص ۳۳ ۔ (۱۲) **الاتجاهات** ، ص ۳۵۴ ۔ (۱۳) **الجامعة الاسلامیه و السیاسة** ، المنار ، ج ۱ ، م ۱۷ ، ص ۷۶ ؛ حیات شبلی ، ص ۶۱۳ ۔ (۱۴) نفس مصدر ۔ (۱۵) زرکلی ، **الاعلام** ، ج ۳ ، ص ۱۷۴ ۔ (۱۶) ڈاکٹر محمد عزیر ، تاریخ دولت عثمانیہ ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ، اعظم گڑھ ، ۲۰۰۹ ، ص ۲۲۳ و مابعد ۔ (۱۷) **المسألة العربیه عند الاتحادین** ، المنار ، ج ۴ ، م ۱۶ ، ص ۳۱۱ - ۳۱۸ ۔ (۱۸) نفس مصدر ۔ (۱۹) **صور و ذکریات** ، ص ۱۶۹ ۔ (۲۰) **التاریخ الشامل** ، ص ۳۲ - ۳۳ ۔ (۲۱) **صور و ذکریات** ، ص ۱۶۹ ۔

ادبیات

نعت رسول ﷺ

ڈاکٹر انس مسرؔور ترابی☆

بخت یوں جاگ اٹھا ہے مری تنہائی کا — تذکرہ گھر میں ہے اس پیکرِ دانائی کا
صرف اتنا کہ ترا نام ترا وصف لکھوں — قصد کچھ اور نہیں ہے سخن آرائی کا
سرفروشوں نے ترے خلق کو بس عام کیا — نشہ سب ٹوٹ گیا نخوتِ دارائی کا
صرف قرآن سے ممکن ہے بیاں کر دینا — جامۂ نور میں عالم تری زیبائی کا
آدمیت پہ ہے سرکار کا احسانِ عظیم — درس دنیا کو دیا آپ نے یکتائی کا
تیری یادوں کا تقدس ہے ترے ذکر کے ساتھ — کتنا پاکیزہ ہے عالم مری تنہائی کا
اک مقام ایسا بھی آتا ہے دعاؤں میں کہ جب — گھٹ کے رہ جاتا ہے دم قوت گویائی کا
کوئی مضمون کہیں سے نہیں کھلتا مسرؔور — شوق پھر بھی ہے ہمیں قافیہ پیمائی کا

قطعہ تاریخ درگذشت
دکتر عبدالباری شبنم سبحانی

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی☆☆

جامعِ مذہب و ادب ، راھیِ راہِ دینِ رب
شبنمِ فخرِ جدّ و اب ، چونکہ بہ خاک رو نھفت
شد معاً سالِ فوت او ، موردِ فکرِ من رئیس
قلبِ دعا پسندِ من "غَفَرَ لَهُ الْحَلِيم" گفت
۱۴۳۴ھ

☆سکراول، پوسٹ ٹانڈہ، ضلع امبیڈکر نگر-۲۲۴۱۹۰ (یوپی)۔

☆☆پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۱۔

مطبوعات جدیدہ

قرآن میں کیا ہے (حصہ دوم): از جناب ابن غوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۶۱۶، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلشرز ۳۷۸-۲-۲۳، مغل پورہ، حیدرآباد، اے پی۔

اس کتاب کا جب پہلا حصہ آیا تو معارف نے لکھا کہ قرآن مجید کی خدمت جس عنوان سے ہو قدر کے لائق ہے۔ یہ پہلا حصہ سورہ کہف تک کے مضامین پر مشتمل تھا، اب زیرنظر حصہ دوم میں سورہ مریم سے آخر تک کی سورتوں کا عطر پیش کردیا گیا ہے۔ ترجمہ وتفسیر اور تفہیم وتشریح کے ذریعہ قرآن مجید کے بحرناپیدا کنار سے حسب توفیق معانی و مفاہیم کے موتی نکالے گئے لیکن یہ سلسلہ جاری ہے، اس کتاب کے مرتب ومولف بھی اس آب جو کی مانند ہیں جس کا کوئی پل اضطراب سے خالی نہیں، مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کی ہدایت اور فوز وفلاح ونجات کے لیے ان کے قلم کی روشنائی عجب عجب رنگ میں جلوہ بکھیرتی رہتی ہے۔ ان کا کہنا بھی ہے کہ قلم یہ خود نہیں اٹھتا اٹھایا جاتا ہے۔ اس غیبی نصرت نے ان کی نیت میں برکت دی اور انہوں نے قرآن مجید کے مضامین وافادات کو اپنے طریقہ سے اور بڑے مفید طریقے سے اس طرح پیش کردیا کہ ہر شخص بآسانی قرآن مجید کی ہر سورت کے مضامین سے واقف ہوجائے، مثلاً سورہ مریم کے باب میں لکھا کہ یہ سورت مکی ہے، پارہ ۱۶ میں کل آیات ۹۶، مضامین میں متعدد پیغمبروں کا تذکرہ (حضرت مریمؑ کے علاوہ) ایک سطری اس تعارف کے بعد توحید، قرآن، واقعات، انسان، شیطان، یہود ونصاری، مومنین، کفار، قیامت، جنت، جہنم، احکام کی ذیلی سرخیوں کے ساتھ مختصر جملوں میں گویا مکمل خلاصہ آگیا، تفصیل کے لیے ان کے سامنے متعدد تفسیریں اور قرآنی علوم کی کتابیں ہیں، ان کو مختصراً پیش کرنا آسان نہیں لیکن مولف اس مشکل سے بآسانی گزرے ہیں، حصہ اول کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا تھا کہ یہ مجموعہ مضامین قرآن مجید کا حسین گلدستہ بن گیا ہے، زیرنظر حصے سے اس گلدستہ کے جمال رنگ وبو کو کمال حاصل ہوگیا، اس کی افادیت ہر شخص کے لیے ہے۔

حیات طیبہ ماہ وسال کے آئینہ میں: از جناب سید نصیر الدین احمد، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت مناسب، صفحات ۶۴۰، قیمت ۶۰۰ روپے، پتہ: مولف، ۲۷، سوبیا اپارٹمنٹس، ریڈ ہلز حیدرآباد، اے پی۔

رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کا مطالعہ دراصل قرآن مجید کی تفسیر کا مطالعہ ہے، خوش نصیب ہیں وہ جن کو سیرت طیبہ سے شغف کی دولت ملتی ہے۔ زیرنظر کتاب اسی شیفتگی رسول اکرمؐ کا ثمرہ ہے، جدت یہ ہے کہ یہ مطالعہ ماہ وسال کی روشنی میں کیا گیا ہے، ۵۷۱ء سے ۶۳۲ء تک ہر سال کے ذیل میں واقعات بیان کیے گئے ہیں، زبان بہت آسان اور سلیس ہے۔ کچھ ضمیمے بھی ہیں جو شمائل نبویؐ، حضرات عشرہ مبشرہؓ، حضورؐ کے نقباء کے احوال پر مشتمل ہیں، مولف نے مستند کتب سیرت کو ماخذ بنایا ہے، جس سے کتاب کے اعتبار اور وقار میں اضافہ ہی ہوا۔ آخر میں ایک حصہ عہد رسالت مآبؐ کے جغرافیائی نقشوں کا بھی ہے یہ دارالسلام پبلیشرز ریاض سے ماخوذ ہے، عام طور سے یہ نہیں ملتا، اس سے بھی کتاب کی افادیت دو چند ہوئی ہے۔ ایسی جامع بلکہ موسوعاتی کتاب کی تالیف تحسین وتبریک کی مستحق ہے۔

معارف مصلح الامت (جلد اول): توضیح وتسہیل از جناب مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۵۲۴، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ دارالمعارف، بی/۶۳۹، وصی آباد، الہ آباد، یوپی اور ممبئی، گجرات، دیوبند، ناسک، دہلی، لکھنؤ اور کشمیر کے مشہور مکتبے۔

الٰہ آباد کے دار المعارف نے اردو کے اصلاحی ادب میں اپنی کتابوں کے ذریعہ بڑا اضافہ کیا ہے، خاص طور پر مولانا قمر الزماں صاحب نے اقوال سلف، وصیت الآداب، طہارت قلب، معارف صوفیہ، گلدستۂ اذکار جیسی کتابوں سے کتاب وسنت کی تعلیمات کو جس موثر اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے، اس کا اعتراف خود بڑے بڑے صاحب حال و مقال بزرگوں نے کیا۔ مولانا وقت کے نامور مصلح ومرشد مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادیؒ کے دست گرفتہ اور فیض یافتہ اور ان کی تربیت کے بہترین نمائندہ ہیں۔ حضرت شاہ وصی اللہؒ کے علوم سینہ کے بھی وہ امین ہیں، حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات ایک عرصے سے رسالہ معرفت حق اور رسالہ وصیۃ العرفان کے ذریعے

امت میں عام ہوکر بے شمار انسانوں کے لیے نفع وافادہ کا باعث ہوتے رہے، عقیدت مندوں کی نظر میں یہ ارشادات وملفوظات شریعت وطریقت کے اسرار ورموز بلکہ اصلاً قرآن وحدیث کے علوم ومعارف کا بیش بہا خزانہ ہیں، رسائل کے صفحات میں منتشر ان مضامین کو جمع کرنے کی ضرورت تھی اور زیر نظر کتاب اسی ضرورت کی تکمیل کی پہلی شکل ہے جس میں نیت، اخلاص، اخلاق، اتباع جیسے مضامین کو یکجا کیا گیا ہے، ملفوظات کی لذت اپنی جگہ لیکن جابجا فاضل مرتب کے مختصر جملے اور چھوٹی چھوٹی وضاحتیں بڑا لطف رکھتی ہیں۔ شروع میں مولانا صوفی ظہیرالدین احمد صاحب کے قلم سے حضرت مصلح الامتؒ کے سوانح بھی خوب ہیں، مقدمہ مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی کے قلم سے ہے جن کے اس یقین میں ہم بھی شامل ہیں کہ ''ان ملفوظات سے تعلیم و تربیت اور شریعت وطریقت کا وہی طریقہ دستیاب ہوگا جو حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلسوں میں لوگوں کو حاصل تھا''۔

تذکرہ علمائے اعظم گڑھ: ازمولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۶۰۴، قیمت درج نہیں، پتہ: دعوت وتحقیق، دیوبند، سہارنپور یوپی۔

موجودہ اعظم گڑھ ضلع کی حیثیت سے جو بھی پہچان رکھتا ہو، اصلاً اس کی شناخت اس خطہ سے ہے جو تاریخ میں ''مملکت پورب شیراز ماست'' کے شاہ جہانی الفاظ میں زندہ جاوید ہوگیا، ہندوستان میں کم علاقے ایسے ہوں گے جہاں اسلام کے ابر کرم کی مستقل فیض رسانی کے مناظر، فکر ونظر کو اس طرح شادکام کرتے ہوں، چریا کوٹ کو ہندوستان کا یونان کہا گیا تو مئو نے علم حدیث میں محدث شہیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے ذریعہ بخارا ونیشاپور کی یاد تازہ کردی، علامہ شبلیؒ کے وجود نے تو اس زمین کو آسمان ہی بنادیا، لیکن اس رشک فلک زمین نے کیسے کیسے خزینوں سے خود کو معمور رکھا، اس کا صحیح اندازہ زیر نظر کتاب سے ہوا، زمانہ ہوا جب یہ کتاب پہلی بار طبع ہوئی اور علماء و محققین کا مرجع بن گئی، پہلے ایڈیشن میں قریب دوسو اصحاب فضل وکمال کا ذکر تھا، اب اس جدید اور خوبصورت ایڈیشن میں قریب ۶۰ علماء ومشائخ کا اور تذکرہ گویا تکملہ آگیا ہے، اعظم گڑھ کی تاریخ کے تعلق سے بھی ایک نیا مضمون شامل ہے، یعنی اب یہ کتاب خوب سے

خوب تر اور کامل سے کامل تر ہوگئی ہے۔ایک تحریر مولانا اعجاز احمد اعظمی کے قلم سے بعنوان علماء و مشائخ کے تذکرہ کا دینی پہلو بھی ہے،مولانا اعظمی قریب دو ماہ قبل اس دنیا سے رخصت ہوگئے، لیکن ان کی یہ سند باقی رہے گی کہ یہ کتاب ایک مستند علمی دستاویز ہے جو اپنے نقش اول پر کیفیت اور کمیت ہر اعتبار سے فائق ہے۔

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی فارسی شاعری کا تنقیدی تجزیہ: از ڈاکٹر شاہد نوخیز اعظمی، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت عمدہ، مجلد، صفحات ۲۹۶، قیمت ۹۴ روپے، پتہ: الانصار پبلی کیشنز، 12/A/۲۲۳-۸-۱۸، ریاست نگر، حیدرآباد-۵۹۔

مولانا حمید الدین فراہی صاحب نظام القرآن کی شہرت ترجمان القرآن کی ہے لیکن ان کے آوازہ فضل و کمال میں دوسرے عناصر بھی ایسے شامل ہیں کہ ہر ایک معجز نما ہے، جہان دانش، دنیائے معرفت، کائنات علم جیسے الفاظ و تعبیرات کا استعمال اب ایسا عام اور کثرت سے ہے کہ ان کی معنویت پر حرف آنے لگا ہے لیکن مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مولانا فراہیؒ کے لیے ان ہی تعبیرات کا انتخاب کیا،انہوں نے عربی کا سوق عکاظ اور فارسی کا بلبل شیراز بھی کہا تو ان کے سامنے حقیقتیں تھیں۔زیر نظر کتاب میں فارسی کے بلبل شیراز کے نغموں کو اس احساس کے ساتھ جمع کیا گیا کہ جب مولانا فراہی نے سولہ سال کی عمر میں خاقانی کے قصیدے کی زمین میں طبع آزمائی کی تو وقت کے اساتذہ حیران ہوگئے،اس لیے ہندوستان کے اس بلبل شیراز کی فارسی شاعری کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا جائے، لائق مرتب نے اشعار کا اردو ترجمہ بھی کردیا،کلید سخن اور نقوش فراہی کے عنوانوں کے تحت تعارفی اور سوانحی تفصیلات بھی ہیں لیکن جہاں تک تنقیدی تجزیہ کا تعلق ہے، یہ پہلو تشنہ ہی رہا،شاید کتاب کی ضخامت کا اندیشہ دامن گیر ہوا،خرد نامہ کی طرح کم از کم چامہا، چکامہا کی وضاحت تو ہوجاتی، لیکن اتنا تو ہوا کہ جس کلام کے متعلق صاحب شعر العجم نے لکھا کہ ''فارسی زبان اس کا نام ہے'' ایک بار پھر شائقین کے لیے ارمغان فکر و نظر بن کر سامنے آگیا۔کمپوزنگ کی غلطیوں سے پاک رکھنا بھی ضروری تھا، کیونکہ یہ مجموعہ دراصل مجموعہ خوبی ہے

ز آنکہ تو خوبی و خوباں را سزاست ہر چہ خوب و دل کش ست و جاں فزاست

عہد اسلامی میں دربھنگہ اور دوسرے مضامین : از جناب محمد الیاس رحمانی ، مرتب ڈاکٹر امام اعظم ، متوسط تقطیع ، عمدہ کاغذ و طباعت ، مجلد مع گرد پوش ، صفحات ۱۴۴ ، قیمت ۲۵۰ روپے ، پتہ : ادبستان (احاطہ کاشانہ فاروقی) محلّہ گنگوارہ ، پوسٹ سارا موہن پور ، دربھنگہ اور بک امپوریم ، سبزی باغ پٹنہ ، بہار ۔

دربھنگہ ، بہار کی مشہور مردم خیز بستی ہے ۔ قدامت کے ساتھ عظمت و شوکت کی روایتوں کی امین بھی ہے اور اس روایت و وراثت میں عہد اسلامی کا رنگ سب سے گہرا ہے ، خواجہ بہاء الدین نقش بند ، شاہ غلام مصطفیٰ قادری ، زیب النساء دختر عالم گیر کے استاد ملا ابوالحسن بن مولانا ابوالبرکات ، شیخ محمد جیون جیسے بزرگوں کے انفاس قدسیہ سے یہ بستی معمور رہی ۔ اس اجمال کی تفصیل محمد الیاس رحمانی نے اپنے ایک مضمون میں بیان کی اور یہی مضمون اس کتاب کا عنوان ہوا لیکن اس کے علاوہ کئی مضامین خود فاضل مصنف کی حیات سے تعلق رکھتے ہیں ، مرتب جو ایک نہایت فعال ، زود نویس اہل قلم ہیں ، ان کے قلم سے دربھنگہ کی عصری اہمیت خصوصاً وہاں کی تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں کی داستان نے اس کتاب کو اور جامعیت عطا کر دی ، حسنین سید جامعی ، ڈاکٹر عبدالمغنی ، مفتی ظفیر الدین مفتاحی ، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جیسے نامور اسی دربھنگہ کی خاک سے اٹھے ، کم لوگوں کو اس کا علم ہے ۔ اردو شاعری ، تنقید ، تاریخ میں جن فرزندان دربھنگہ کا ذکر ہے وہ صرف دربھنگہ کے لیے قابل فخر ہی نہیں پوری اردو دنیا کے لیے قابل رشک بھی ہے اور یہ اس احساس کا محرک بھی ہے کہ دہلی ، لکھنؤ ، حیدرآباد ، عظیم آباد اور بھوپال کی طرح دربھنگہ بھی اسلامی تہذیب و ثقافت کی بہترین مثال ہے ۔ الیاس رحمانی قریب نصف صدی قبل آسودہ خاک ہوئے لیکن ان کی تحریروں سے واقعی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلند پایہ محقق و مورخ تھے ، ان کی یاد کو تازہ کرکے ڈاکٹر امام اعظم نے یہ لائق تحسین فریضہ انجام دیا کہ نئی نسل اپنے ماضی کے درخشاں باب سے آگاہ ہو سکے ۔

کلیات اختر مسلمی : مرتبہ جناب فہیم احمد ، متوسط تقطیع ، عمدہ کاغذ و طباعت ، مجلد مع گرد پوش ، صفحات ۳۳۶ ، قیمت ۳۰۰ روپے ، پتہ : فضل الرحمٰن مسلمی ، جامع مسجد جدید ، سرائے میر ، اعظم گڑھ یوپی اور سرائے میر اور دہلی کے دوسرے مکتبے ۔

قریب پچاس سال پہلے نوجوان اختر مسلمی کا پہلا مجموعہ اشعار موج نسیم شائع ہوا تو ادب وانشاء کے مزاج شناس مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے فرمایا کہ ان کے کلام میں تغزل کی تمام ظاہری ومعنوی خوبیاں موجود ہیں اور شفیق جونپوری جیسے استاذ شاعر نے پیش گوئی کی کہ اختر مسلمی مستقبل میں ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے متعارف ہوں گے، ہوا بھی یہی کہ موج نسیم کے بعد موج صبا اٹھی اور پھر جام وسنداں کے نام سے ایک اور مجموعہ آ گیا، زیر نظر کلیات میں ان تینوں کو یکجا کر دیا گیا ہے، کلیات سے شاعر کے ابتدائی اور ارتقائی مدارج کا اندازہ لگایا جاتا ہے لیکن یہ اختر مسلمی کا کمال ہے کہ ان کی اٹھان ہی قیامت کی ہوگئی، یہ بالکل ابتدائی دور کا شعر ہے کہ

وسعت دل دیکھیے گر دیکھنا ہے آپ کو ظاہری پردہ ہے شان تنگ دامانی مری

پھر کیسے کیسے شعر آتے جاتے ہیں

سکون راہ طلب میں حرام ہے شاید کہ عشق بے خلش و درد خام ہے شاید

حسن اک مصلحت ہے سراپا عشق بے گانہ سود و زیاں ہے

چاک دامن پہ بڑا ناز ہے ان پھولوں کو آ کے دیکھیں مرے دامن کا گریباں ہونا

زمانہ تیرے لیے بے قرار ہوجائے تو دوسروں کے لیے بے قرار ہو تو سہی

میں گلہ اگر کروں گا اسے ناروا کہو گے جو ستم سے مرگیا تو مجھے بے وفا کہو گے

مرے دل کی الجھنوں کو مری چشم نم سے پوچھو میں زبان سے کچھ کہوں گا تو اسے گلہ کہو گے

اختر مسلمی کے تغزل کی داد جن ارباب ذوق ونظر نے دی ہے اس سے بھی یہ کلیات مزین ہے، فہرست کی کمی خدا جانے کیوں روا رکھی گئی۔

ع-ص

رسید مطبوعہ کتب

۱-**اردو شاعری میں جانور:** مختار بدری، نذیر بک ڈپو ۳۲۳، قائد ملت روڈ، ٹرپلکین چنئی ۶۰۰۰۰۵۔
قیمت: ۲۰۰ روپے

۲-**اسم محمدؐ (نعتوں کا انتخاب):** علیم صبا نویدی، مرتب ڈاکٹر سید سجاد حسین، ٹمل ناڈو اردو پبلیکیشنز، چنئی۔
قیمت: ۲۵۰ روپے

۳-**باغ و بہار میرامن خطی نسخۂ جے پور:** ڈاکٹر فیروز احمد، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامع مسجد، دہلی۔
قیمت: ۴۰۰ روپے

۴-**تراوش خیال (مجموعۂ مقالات):** ڈاکٹر سید عبدالباری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۳۱۰۸ وکیل اسٹریٹ، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی ۶۔
قیمت: ۱۲۱ روپے

۵-**روح سخن (شعری مجموعہ):** ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶۔
قیمت: ۳۰۰ روپے

۶-**سب کے لیے:** ابن غوری، امتیاز ریزیڈنسی، چوراہا نیو ملے پلی، حیدرآباد۔ قیمت: ۱۲۰ روپے

۷-**علیم صبا نویدی کی تخلیقاتی کائنات:** پروفیسر سید سجاد حسین، اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، ۳۱۰ بھارتی دسن روڈ، ایس، آئی، ای، ٹی ٹینامپٹ چنئی ۱۸۔
قیمت: ۴۰۰ روپے

۸-**مولانا عبدالسلام ندوی - ایک مطالعہ:** پروفیسر ڈاکٹر کبیر احمد جائسی، مولانا عبدالسلام ندوی فاؤنڈیشن، ممبئی۔
قیمت: ۲۵۰ روپے

۹-**نامۂ نظیر (نظیر صدیقی کے خطوط امام اعظم کے نام):** ڈاکٹر امام اعظم، بک امپوریم سبزی باغ، پٹنہ۔
قیمت: ۱۵۰ روپے

۱۰-**نے نوازی:** سعید الظفر چغتائی، یونیورسل بک ہاؤس، ۳۰؍ عبدالقادر مارکیٹ، علی گڑھ۔
قیمت: ۱۸۰ روپے